عالمی بینکاروں کی دہشت گردی

سرمائے کے آقا

مرتب: فرخ سہیل گوئندی

جمہوری پبلیکیشنز

انتساب!

دنیا بھر کے محنت کشوں کے نام جن کی محنت
سے پیداواری عمل جاری ہے

فہرست

1- منی چینجروں کی تاریخ	7
بینک آف انگلینڈ کا چارٹر	12
خلاصہ	62
2-عالمی بینکاری کے اجارہ دار	65
خفیہ ایجنڈا	72
3-سامراجیت کی معاشیات	75
ڈالر کا عالمی کردار	75
حکومت کو ڈالر میں اصل لاگت کے حوالے سے نفع	76
سستی ڈالر فنانس	77
بحران میں امریکی فوائد	79
سامراجی طاقت اور ڈالر	80
4-اکیسویں صدی اور امریکی معاشی جارحیت	83
سرد جنگ کے بعد اور 9/11 سے قبل	85
9/15 کے بعد عالمی آرڈر	88

امریکی سامراجیت کے موجودہ جارحانہ حملے 90

واشنگٹن کا دائیں طرف مزید سیاسی جھکاؤ 90

امریکہ کی چین اور روس کے ساتھ سامراجی مسابقت 92

ایران کے خلاف امریکہ کی سامراجی شرکت جنگ 93

واشنگٹن کی عراق میں جنگ اور افغانستان کی چوکیوں سے

پاکستان میں غیر اعلان شدہ جنگ کی توسیع 95

امریکی فارورڈ فورس کی پروجیکشن استعداد میں توسیع اور اضافہ 96

چین کے خلاف آسیان کو نامزد کرنے یا ساتھ لینے کی کوششیں 97

ایک ''عالمی بغاوت'' کے خلاف ''بلیک جاسوسی آپریشنز'' 97

نتیجہ 99

5- سامراجیت: بینکار، منشیات کی جنگیں اور نسل کشی 101

میکسیکو کا جہنم میں اترنا 102

آزاد تجارت کا معاہدہ: وہ شعلے جنہوں نے اس جہنم کو بھڑکایا 102

جنگی حکمت عملی سے منشیات کی جنگ میں شدت 104

منشیات کے تاجر، امریکی بینک اور وائٹ ہاؤس 106

حوالاجات (سامراجیت کی معاشیات) 109

منی چینجروں کی تاریخ

تحقیق وترتیب فرخ سہیل گوئندی

ماہرین معاشیات عوام کو مسلسل اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کساد بازاری یا ڈیپریشن کاروباری سائیکل کا فطری حصہ ہے۔ تاہم نیچے ہم تاریخی حوالوں سے جو تفصیل دے رہے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اتنا آسان معاملہ نہیں۔ کساد بازاری (Recessions) اور تناؤ (Depressions) محض اسی وقت ہوتے ہیں جب سینٹرل بینکر کرنسی زیادہ سے زیادہ اپنے ہاتھ میں رکھنے اور کم سے کم دوسروں کے ہاتھ میں دینے کے لیے کرنسی کی سپلائی کے عمل میں ساز باز کرتے ہیں۔ سینٹرل بینکار دراصل منی چینجروں کی تبدیل شدہ شکل ہے اور یہ منی چینجروں کی ہی وہ تاریخ ہے جو 48 قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے۔

☆48 قبل مسیح: رومن شہنشاہ جولیس سیزر نے منی چینجروں سے سکے ڈھالنے کا اختیار واپس لے کر مفادِ عامہ کے لیے یہ کام حکومت کے سپرد کر دیا۔ اس طرح رقم کی وافر فراہمی کے ذریعے اس نے کئی بڑے تعمیراتی منصوبے مکمل کیے۔ لیکن منی چینجر اس اقدام پر جولیس سیزر سے نفرت کرنے لگے اور یہی وجہ ہے کہ بالآخر اسے قتل کر دیا گیا۔ بادشاہ کے قتل کے فوراً بعد روم میں کرنسی کی فراوانی کی بھی موت واقع ہوگئی۔ کرپشن اور ٹیکسوں میں اضافہ ہوگیا۔ نتیجتاً رومن کرنسی کی سپلائی 90 فیصد کم ہوئی اور عام آدمی اپنی زمینوں اور مکانات تک سے محروم ہوگئے۔

☆30 عیسوی: حضرت عیسیٰؑ نے اپنی زندگی کے آخری برس منی چینجروں کو عبادت گاہوں (مراد مذہبی معاملات) سے نکال باہر کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی حکمرانی

کے دوران کسی کے خلاف عملی طاقت کے استعمال کی یہ واحد مثال ہے۔ جب یہودی مذہبی ٹیکس کی ادائیگی کے لیے یروشلم آئے تو وہ صرف نصف شیکل کے خصوصی سکے سے ادائیگی کر سکتے تھے۔ یہ شیکل نصف اونس خالص چاندی پر مشتمل تھا اور اس کا حجم ایک کوارٹر کے برابر تھا۔ یہ اس وقت واحد سکہ تھا جو خالص چاندی سے بنا تھا، اس کا وزن مصدقہ تھا اور اس پر مشرک شہنشاہ کی تصویر بھی نہیں تھی۔ چنانچہ یہودیوں کے نزدیک یہی سکہ خدا کو قابلِ قبول تھا۔ بدقسمتی سے یہ سکے وافر تعداد میں دستیاب نہیں تھے اور منی چینجروں نے انہیں جمع کر کے ان کی مارکیٹ قدر میں اضافہ کر دیا۔ انہوں نے ان سکوں پر اپنی اجارہ داری کو بے پناہ منافع کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہوئے یہودیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ منی چینجروں کے تمام مطالبات تسلیم کریں۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان منی چینجروں کو نکال باہر کیا کیوں کہ ان سکوں پر ان کی اجارہ داری خدا کے گھر کے تقدس کے منافی تھی۔ کچھ عرصے بعد ان منی چینجروں نے عیسیٰؑ کی موت کا مطالبہ کر دیا۔

☆1024ء: منی چینجروں نے قرونِ وسطیٰ کے انگلستان میں کرنسی کی سپلائی پر کنٹرول حاصل کر لیا اور اس وقت عمومی طور پر وہ زرگر (گولڈ سمتھ) کے طور پر مشہور تھے۔ کاغذی کرنسی شروع ہوئی تو یہ محض ایک رسید ہوتی تھی جو آپ زرگر کے پاس سونا جمع کرا کے حاصل کر سکتے تھے۔ بہر حال کرنسی کی شکل میں لین دین کا آغاز کر دیا گیا کیوں کہ بھاری بھر کم سونے چاندی کے سکوں کے ساتھ نقل و حرکت کی بہ نسبت کاغذی کرنسی کا انتقال آسان ہوتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس عمل کو مزید سادہ بنانے کے لیے انفرادی ڈیپازٹر کی بجائے حامل یعنی Bearer کو رسیدیں دی جانے لگیں۔ اس طرح دستخط کیے بغیر رقم قابل انتقال ہو گئی۔ اس عمل سے سونے کے ذخیرے (Deposit) کے ساتھ تعلق کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ زرگروں نے اندازہ لگایا کہ ایک وقت آئے گا کہ ڈیپازٹر آ کر ہنگامہ آرائی کریں گے اور اپنا سونا واپس مانگیں گے چنانچہ انہوں نے سسٹم کو دھوکہ دینے کا طریقہ دریافت کر لیا۔ انہوں نے سونے کی مقدار کے تناسب سے زیادہ رسیدیں جاری کرنا شروع کر دیں اور اتنی باریکی کی تو کسی کو سمجھ نہیں ہو گی۔ انہوں نے سونے کی معیت کے بغیر ان رسیدوں پر قرضے دینا شروع کر دیئے اور سود کی وصولی بھی شروع کر دی۔ اس طرح اس اقتصادی نظام کا جنم ہوا، جسے ہم جزوی ریزرو بینکنگ (Fractional Reserve Banking) کہتے

ہیں۔ یوں آج کے نظام کی طرح زرگر حضرات بڑی مقدار میں رقم بطورِ قرض ادا کرنے کے قابل ہو گئے اور یہ تمام رسیدیں فراڈ پر مبنی تھیں کیوں کہ یہ رسیدیں اس سونے کے عوض جاری کی جاتی تھیں جس کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ جب ان کے حوصلے بڑھے تو انہوں نے اپنے ڈیپازٹ کی مقدار سے دس گنا زائد قرضوں کا اجرا شروع کر دیا۔ انہوں نے کس سادہ طریقہ کار سے واردات کی، اسے ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے جس میں زرگروں نے Creditors اور Debitors سے ایک ہی شرح پر سود وصول کیا۔ اس مثال میں زرگر نے اس سونے پر 6 فیصد سود ادا کیا جو آپ نے اس کے پاس جمع کرایا۔ پھر رقم پر 6 فیصد انٹرسٹ وصول کیا، مراد وہ جعلی رسیدیں ہیں جو آپ نے اس سے حاصل کیں، جب کہ جو سونا آپ نے جمع کرایا اس کے عوض انہوں نے 10 گنا زائد قرضہ جاری کر دیا لیکن آپ کو صرف 6 فیصد ادا کیا جا رہا ہے۔ اس کے بدلے وہ 60 فیصد کما رہے تھے اور یہ کمائی آپ کی دولت پر کی جا رہی تھی۔ زرگروں نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ اس فراڈ پر مبنی رقم پر ان کے کنٹرول سے انہیں لوگوں کے اثاثوں اور معیشت پر بھی کنٹرول حاصل ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آسان کرنسی اور سخت کرنسی کی تقسیم کے ذریعے معیشت پر اپنا کنٹرول مزید مستحکم کر لیا۔ جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا، اس کے تحت انہوں قرضے کو آسان بنا کے کرنسی کی گردش میں اضافہ کر دیا۔ پھر ایک دم پیسے کی سپلائی کو جکڑ دیا اور اسے گردش سے باہر نکال کر قرضوں کا حصول مشکل بنا دیا یا سرے سے قرضوں کی پیشکش روک دی۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ سیدھی سی بات ہے کہ اس کے نتیجے میں کئی لوگ اپنے قرضوں کی ادائیگی کر سکتے تھے نہ انہیں نئے قرضے مل سکتے تھے، یوں وہ دیوالیہ ہو کر اپنے اثاثے کوڑیوں کے بھاؤ انہی زرگروں (Goldsmiths) کو بیچنے پر مجبور ہو جاتے۔ یہ صورتِ حال وہی ہے جس کا سامنا حال ہی دنیا بھر کی معیشت کو کرنا پڑا لیکن اب اسے ''کاروباری چکر یا سائیکل، تیزی، مندے، کساد بازاری اور ڈیپریشن'' جیسے نام دیئے گئے ہیں تاکہ منی چینجروں کے سکینڈل پر عوام کو الجھاؤ میں ڈالا جا سکے۔

☆1100ء: شاہ ہنری اوّل نے شاہ ولیم کے جانشین کے طور پر انگلستان کا تخت سنبھال لیا۔ اُس کے دَور میں منی چینجروں کی طاقت حکومت کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس کے لیے کرنسی کی ایک بالکل نئی قسم تخلیق کی گئی جسے "Tally Stick" کا نام دیا گیا اور یہ دنیا کی سب

سے زیادہ طویل عرصے تک باقی رہنے والی کرنسی ثابت ہوئی۔ اس کی عمر 726 سال رہی اور یہ 1826ء تک برقرار رہی (اگرچہ اس دوران بعض دیگر اقسام کی کرنسیاں بھی مستعمل رہیں اور پھر دم توڑ گئیں)۔ ٹیلی سٹک پالش شدہ چھڑی تھی جس کی ایک طرف کھدے ہوئے نشان لگائے گئے تھے جس سے چھڑی کی مالیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد لمبائی کے رخ سے چھڑی کو نشانوں سے توڑا جاتا تھا۔ اس طرح دونوں ٹکڑے نشانات کا ریکارڈ ہوتے تھے۔ شاہ ایک ٹکڑا کسی انتقام سے تحفظ کے لیے اپنے پاس رکھتا جب کہ باقی ماندہ حصہ کرنسی کی گردش کے لیے اور معیشت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ تاریخ کے کامیاب ترین منی سسٹم میں سے ایک تھا کیوں کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام قسم کے ٹیکس ٹیلی سٹک کے طور پر ادا کیے جائیں۔ اس طرح نہ صرف ان چھڑیوں کی گردش میں اضافہ ہوا بلکہ اسے کرنسی کی قانونی شکل کے طور پر مقبولیت حاصل ہوگئی۔ یہ نظام انگلینڈ میں منی چینجروں سے اختیارات دُور رکھنے میں موثر ثابت ہوا۔

☆1225ء: سینٹ تھامس اکوینس (Thomas Aquinas) پیدا ہوئے، کیتھولک چرچ کے اس ممتاز فقیہہ کا موقف تھا کہ سود کی وصولی ایک غلط اقدام ہے کیوں کہ اس طرح رقم لینے والا دہری ادائیگی کرتا ہے۔ ایک ادائیگی کرنسی کی مد میں جب کہ دوسری اس کے استعمال کی مد میں۔ اس تصور کی بنیاد ارسطو کا فلسفہ تھا جس کا خیال تھا کہ کرنسی کا مقصد معاشرے کے افراد کی خدمت کرنا اور پاکباز زندگی گزارنے کے لیے سامان کے تبادلے میں معاونت فراہم کرنا ہے۔ سود عقلیت (Reason) اور انصاف کے برعکس ہے کیوں کہ اس سے کرنسی کے استعمال پر غیر ضروری بوجھ پڑتا ہے۔ یوں یورپ میں قرونِ وسطیٰ کے چرچ قوانین کے تحت کسی بھی قسم کے انٹرسٹ یا سود کی وصولی ممنوع بلکہ جرم تھی۔

☆1509ء: شاہ ہنری ہشتم نے شاہ ہنری ہفتم کی جگہ تخت انگلستان سنبھالا۔ اس کے دَور میں ربا (Usury) سے متعلق قوانین میں نرمی کی گئی اور منی چینجروں نے دوبارہ عوام پر مسلط ہونے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کی۔ انہوں نے ایک بار پھر بڑی مقدار میں سونے اور چاندی کے سکے تیار کر لیے۔ یہ بات دلچسپی کی حامل ہے کہ شاہ ہنری ہشتم کے دَور میں چرچ آف انگلینڈ، رومن کیتھولک ازم سے الگ ہوگیا جو رقم کے لین دین میں سود کی وصولی سے منع کرتا تھا۔

☆1553ء: ملکہ میری اوّل نے صرف 9 یوم کے لیے انگلستان کی ملکہ رہنے والی لیڈی جین گرے کی جگہ اقتدار سنبھالا۔ ملکہ میری اوّل راسخ العقیدہ کیتھولک تھی، اُس نے ایک بار پھر سودی قوانین سخت کر دیئے۔ منی چینجر اس صورتِ حال سے نالاں تھے چنانچہ انہوں نے انتقاماً سونے اور چاندی کے انبار جمع کر کے معیشت کو جامد کر دیا۔

☆1558ء: ملکہ الزبتھ اوّل نے اپنی سوتیلی بہن ملکہ میری اوّل کی جگہ عنانِ حکومت سنبھالا۔ اس کے دَور میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ کرنسی کی سپلائی پر کنٹرول کے لیے سونے چاندی کے سکوں کا شعبہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے گی۔ اس نے یہ کام سرکاری محکمہ خزانہ کے ذریعے کیا اور کامیابی کے ساتھ کرنسی کی سپلائی کا کام منی چینجروں سے واپس لے لیا۔

☆1609ء: ہالینڈ میں منی چینجروں نے تاریخ کا پہلا سینٹرل بینک قائم کیا۔

☆1642ء: منی چینجروں نے انگلینڈ میں انقلاب کے لیے اولیور کروم ویل کو رقم فراہم کی۔ اس طرح انہیں منی سسٹم پر ایک بار پھر کنٹرول حاصل ہو گیا۔ کافی خون خرابے کے بعد کروم ویل نے بالآخر پارلیمنٹ برخاست کر دی، شاہ چارلس اوّل کا تختہ الٹ دیا اور 1649ء میں اسے پھانسی چڑھا دیا۔ منی چینجروں نے فوراً اپنی طاقت مستحکم کر لی اور اگلے کئی عشروں کے لیے برطانیہ کو مہنگی جنگوں کے سلسلے میں دھکیل دیا۔ انہوں نے لندن کے عین وسط میں ایک مربع میل اراضی حاصل کی، جو اَب لندن سٹی کے طور پر مشہور ہے۔

☆1688ء: انگلینڈ کے شاہی خاندان سٹوارٹ کے بادشاہوں، چارلس دوم (1660-1685ء) اور جیمز دوم (1685-1688ء) کے ساتھ مسلسل تکرار کے بعد انہوں نے ہالینڈ میں اپنے زیادہ کامیاب ہم پیشہ منی چینجروں کے ساتھ ساز باز کر لی، جنہوں نے پہلے ہی وہاں سینٹرل بینک قائم کر لیا تھا۔ انہوں نے نیدرلینڈز کے ولیم آف اورنج کے حملے کو فنانس کیا، جو ان کے نزدیک زیادہ موزوں شخص تھا۔ ولیم آف اورنج کامیاب رہا اور وہ 1689ء میں شاہ ولیم سوم کے نام کے ساتھ انگلینڈ کا بادشاہ بن بیٹھا۔

☆1694ء: گزشتہ 50 برسوں سے مسلسل مہنگی جنگوں کے بعد انگلستان کے حکام نے مجبور ہو کر سیاسی مقاصد کے لیے منی چینجروں سے رابطہ کیا۔ منی چینجر یہ مسئلہ حل کرنے پر رضامند ہو

گئے اور اس کے لیے انہوں نے نجی بینک کھولنے کی اجازت دینے کی شرط عائد کی۔ یہ بینک کسی چیز (سونے) کے بغیر کرنسی جاری کر سکتے تھے۔ اسے فریب کن نام ''بینک آف انگلینڈ'' کا نام دیا گیا۔ اس کا واحد مقصد عوام کو یہ تاثر دینا تھا کہ یہ بینک دراصل حکومت کا حصہ تھا حالاں کہ ایسا بالکل نہیں تھا۔ کسی اور پرائیویٹ کارپوریشن کی طرح بینک آف انگلینڈ نے حصص کی فروخت سے کام کا آغاز کیا۔ پرائیویٹ انویسٹروں نے، جن کے نام کبھی ظاہر نہیں کیے گئے تھے، مبینہ طور پر سونے کے سکوں کی شکل میں 12 لاکھ 50 ہزار پاؤنڈ کے ''شیئر'' خریدنے تھے لیکن عملی طور پر صرف ساڑھے 7 لاکھ پاؤنڈ وصول ہو سکے۔ اس حقیقت کے برعکس کہ بینک دوطرفہ چارٹرڈ تھا، اس نے اپنے پاس ڈیپازٹ سے کہیں زیادہ مالیت میں بلند شرح سود پر قرضوں کا اجرا شروع کر دیا۔

بینک آف انگلینڈ کا چارٹر

اگرچہ بینک آف انگلینڈ کے پرائیویٹ انویسٹروں کے نام کبھی منظر عام پر نہیں لائے گئے، تاہم بینک کے ایک ڈائریکٹر ولیم پیٹرسن نے بیان کیا کہ ''بینک نے تمام اقسام کی رقم پر انٹرسٹ وصول کیا اور یہ رقم بغیر کسی چیز کے پیدا ہوا''۔ اس کے علاوہ بینک نے حکومتی ارباب اختیار کو جتنی رقم درکار تھی، قرضے کی شکل میں دے دی۔ تاہم یہ قرضہ اس وقت تک ملنا تھا جب تک وہ عوام پر بلاواسطہ ٹیکسوں کی شکل میں ڈیبٹ (Debt) حاصل نہ کر لیتے۔ بینک آف انگلینڈ نے قومی کرنسی پرائیویٹ مقاصد کے لیے جاری کر دی اور اس طرح کوئی ملک جو پرائیویٹ بینک کے کنٹرول میں آیا، اُس کی حیثیت دھن راج (پلوٹو کریسی) سے زیادہ نہیں تھی۔ بینک آف انگلینڈ نے اپنے قیام کے فوراً بعد ''ٹیلی سٹک'' سسٹم پر حملہ کیا کیوں کہ کرنسی منی چینجروں کے دائرۂ کار سے باہر تھی۔ اور شاہ ہنری اوّل کا مقصد بھی یہی تھا۔

☆1698ء: بینک آف انگلینڈ کے قیام کے چار سال بعد اس کی کی طرف سے ''منی سپلائی'' پر کنٹرول کا منصوبہ کھل کر سامنے آ گیا۔ ملک میں کرنسی کا اتنا سیلاب بہا دیا گیا کہ حکومتی قرضہ جو پہلے ساڑھے 12 لاکھ پاؤنڈ تھا، اب بڑھ کر 16 لاکھ پاؤنڈ ہو گیا۔ گویا چار سال کے اندر قرضوں میں 22.80 فیصد اضافہ۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ سیدھی سی بات ہے کہ ملک میں اگر

زیر گردش کرنسی کی مالیت 50 لاکھ پاؤنڈ تھی اور سینٹرل بینک مزید ڈیڑھ کروڑ پاؤنڈ نوٹ چھاپنا چاہتا تھا اور اسے قرضوں کی شکل میں معیشت میں شامل کرنا چاہتا تھا تو اس سے ابتدائی رقم، جس سے بینک کا آغاز کیا گیا تھا، کی قدر میں کمی واقع ہو جاتی۔ اس عمل سے 75 فیصد زیر گردش کرنسی پر بینک کو کنٹرول حاصل ہو جاتا اور اس رقم میں وہ ڈیڑھ کروڑ پاؤنڈ بھی ہوتے جو معیشت میں شامل کیے گئے تھے۔ اس سے افراطِ زر بھی بڑھتا اور عام آدمی بری طرح متاثر ہوتا۔ اب چوں کہ معیشت میں کرنسی کی فراوانی تھی اور معیشت پر کنٹرول سینٹرل بینک کا تھا اور جب بینک کو اطمینان ہو گیا کہ بہت سارے لوگ مقروض ہو چکے ہیں تو کرنسیس کی سپلائی ایک دم سخت کر کے قرضوں کی پیشکش روک دی گئی۔ یہ دو مرحلوں پر مبنی پلان تھا۔ تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ خاموش تماشائی بن کر مقروض افراد کے دیوالیہ ہونے کا انتظار کیا جائے۔ اس طرح بینک کو لوگوں کے کاروبار، جائیدادیں اور قیمتی اثاثے کوڑیوں کے بھاؤ خریدنے کا نادر موقع ہاتھ آ جاتا۔ افراطِ زر سے سینٹرل بینک کو کبھی کوئی فرق نہ پڑتا کیوں کہ افراطِ زر سے صرف اور صرف فائدہ سینٹرل بینک کو ہی ہوتا۔

☆1757ء: بنجمن فرینکلن انگلینڈ آئے اور اپنی زندگی کے مزید 18 سال یہاں گزارے۔ وہ انگلینڈ میں امریکی انقلاب تک مقیم رہے۔

☆1760ء: میئر ایمشیل بوار نے اپنا نام تبدیل کر کے میئر ایمشیل روتھ شیلڈ (Mayer Amschel Rothschild) رکھ لیا اور ہاؤس آف روتھ شیلڈ کی بنیاد رکھی۔ اس نے یہ حقیقت جلد ہی بھانپ لی کہ حکومتوں کو قرضے دینا افراد کو قرضے دینے سے کہیں زیادہ منافع بخش ہے کیوں کہ حکومتی قرضے حجم میں بڑے ہوتے ہیں اور ان کی پشت پر قوم کے ٹیکس بھی ہوتے ہیں۔ اس نے پیسے بنانے کے فن میں اپنے پانچوں بیٹوں کو طاق کر دیا۔

☆1764ء: بنجمن فرینکلن سے بینک آف انگلینڈ کے حکام نے پوچھا کہ وہ امریکہ میں نو آبادیوں کی خوش حالی کی وجوہات کی وضاحت کریں۔ انہوں نے جواب دیا، ''سیدھی سی بات ہے، نو آبادیوں میں ہم اپنی کرنسی خود جاری کرتے ہیں۔ اسے ''نو آبادیاتی سٹرفکیٹ'' (Colonial Script) کہا جاتا ہے۔ ہم اسے تجارت اور صنعت کی ضرورت کے مطابق مناسب مقدار میں جاری کرتے ہیں تا کہ صنعتی مصنوعات آسانی سے صارفین تک پہنچ سکیں۔ کاغذی کرنسی

ہم خود جاری کر کے قوتِ خرید کو کنٹرول میں رکھتے ہیں اور ہم نے کسی کا کوئی سود ادا نہیں کرنا۔"
بنجمن فرینکلن کے بیان کے فوراً بعد برطانوی پارلیمنٹ نے عجلت میں کرنسی ایکٹ 1764ء منظور کیا جو کالونیل کو اپنی کرنسی خود جاری کرنے سے روکتا تھا اور انہیں حکم دیا گیا کہ آئندہ تمام اقسام کے ٹیکس سونے یا چاندی کے سکوں کی صورت میں ادا کیے جائیں۔ جب یہ قانون پاس ہوا تو بنجمن فرینکلن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی خودنوشت میں کہا کہ "ایک ہی سال کے اندر حالات اتنے اُلٹ ہو گئے کہ خوش حالی کا دَور اختتام کو پہنچ گیا اور ڈیپریشن اتنی بُری طرح چھا گیا کہ نوآبادیوں کی سڑکیں بے روزگاروں سے بھر گئیں..... کالونیاں خوش دلی سے چائے اور دیگر معاملات پر معمولی ٹیکس برداشت کرتی رہتیں، اگر انگلینڈ مقبوضہ علاقوں سے ان کا پیسہ چھین کر بے روزگاری اور بے اطمینانی پیدا نہ کرتا۔ شاہ جارج سوم نے کالونیوں کے حکام سے کرنسی کے اجرا کا اختیار مستقل طور پر چھین لیا اور بین الاقوامی بینکار انقلابی جنگ کی بنیادی وجہ بنے۔" امریکہ کا منی سسٹم 1764ء کے بعد 8 مرتبہ تبدیل کیا گیا۔

☆1775ء: 19 اپریل کو لیسنگٹن، میساچوسٹس میں پہلی انقلابی جنگ کا آغاز ہوا۔ اس وقت تک برطانوی ٹیکسیشن کے نتیجے میں کالونیوں سے چاندی اور سونے کے سکوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ چنانچہ براعظمی (Continental) حکومت کے پاس کرنسی چھاپنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا تا کہ جنگ کے اخراجات برداشت کیے جا سکیں۔ انقلاب کے آغاز پر امریکی کرنسی کی سپلائی 12 کروڑ ڈالر تھی اور جب جنگ ختم ہوئی تو یہ مالیت بڑھ کر 50 کروڑ ڈالر ہو چکی تھی، نتیجتاً کرنسی کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جوتوں کا جوڑا 51 ہزار ڈالر میں فروخت ہو رہا تھا۔ اس سے بہت زیادہ کرنسی چھاپنے کے خطرات بھی سامنے آ گئے۔ کالونیوں کی حکمتِ عملی قبل ازیں اس لیے کارگر ثابت ہوئی کیوں کہ بیشتر وسائل تجارت کے فروغ پر صرف کیے گئے۔

☆1781ء: انقلابِ امریکہ کے اختتام سے پہلے براعظمی کانگریس رقم کے حصول کے لیے مایوسی کا شکار تھی، لہٰذا اس نے فنانشل سپرنٹنڈنٹ رابرٹ مورس کو اس امید پر نجی سینٹرل بینک کھولنے کی اجازت دے دی کہ مالیاتی مسائل حل ہو سکیں۔ مورس ایک دولت مند شخص تھا جس نے دورانِ انقلاب جنگی سامان کی تجارت کے ذریعے دولت میں بے پناہ اضافہ کر لیا تھا۔ امریکہ

میں پہلا سینٹرل بینک، بینک آف نارتھ امریکہ کے نام سے قائم کیا گیا جسے چار سالہ چارٹر سے کھولا گیا اور اس کا طریقۂ کار بینک آف انگلینڈ سے بڑی حد تک مماثل تھا۔ اس بینک کو جعلی ریزرو سسٹم کا فراڈ نظام اختیار کرنے کی اجازت دے دی گئی کہ بینک وہ کرنسی جاری کرے جس کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا اور پھر سود وصول کرے۔ بینک کے چارٹر میں نجی سرمایہ کاروں کو 4 لاکھ ڈالر کی ابتدائی رقم کی سرمایہ کاری کی دعوت دی گئی لیکن مورس خود بھی اتنی رقم جمع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی بے شرمی سے بینک میں سونے کے ذخائر کے لیے اپنا سیاسی اثر ورسوخ استعمال کیا جو فرانس نے امریکہ کو عارضتاً فراہم کیا تھا۔ اس کے بعد مورس نے اسی بینک کی رقم سے سرکاری سونا خرید لیا۔ امریکہ میں بھی بینک کو بینک آف نارتھ امریکہ کا گمراہ کن نام دے کر عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ یہ بینک دراصل حکومت کے زیر کنٹرول ہے۔ اس طرح اسے قومی کرنسی پر اجارہ داری حاصل ہوگئی۔

☆1785ء: رابرٹ مورس کے ان وعدوں کہ اس کا نجی بینک کرنسی کی سپلائی کا مسئلہ حل کردے گا، کے برعکس معیشت کی حالت بدستور دگرگوں رہی۔ اس پر کانٹی نینٹل کانگریس بینک کے چارٹر پر نظر ثانی پر مجبور ہوگئی۔ اس بینک کی موت کی کوششوں کا سرخیل پنسلوینیا کا ولیم فنڈلے تھا جس نے کہا کہ ''یہ ادارہ، جس کا کوئی اصول نہیں بلکہ یہ صرف لالچ پر مبنی ہے، اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوگا..... اور وہ مقاصد ہیں ریاست کے تمام اختیارات، تمام دولت اور اثر ورسوخ پر قبضہ۔'' میئر ایمشیل روتھ شیلڈ نے اپنا فیملی گھر جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں پانچ منزلہ عمارت میں منتقل کرلیا، جہاں اس کے ساتھ شف فیملی (روتھ شیلڈ اور شف خاندان میں سے 128 سال بعد جیکب شف کا جنم ہوا جس نے فیڈرل ریزرو کی بنیاد ڈالی) بھی قیام پذیر تھی۔

☆1787ء: ولیم فنڈلے اور کالونی کے دیگر رہنماؤں کا اجلاس فلاڈلفیا میں ہوا تاکہ آئین کے کنفیڈریشن سے متعلق آرٹیکلز پر غور کیا جاسکے۔ گورنر مورس نے آئین کے حتمی مسوّدے کی تیاری کرنے والے اجلاس کی صدارت کی۔ وہ بینکروں کے عزائم سے آگاہ تھا کیوں کہ وہ خود کسی دَور میں ان کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ گورنر مورس نے اپنے سابق باس رابرٹ مورس اور الیگزینڈر ہملٹن کے ساتھ نے کانگریس کو بینک آف نارتھ امریکہ کا حقیقی پلان پیش کیا۔ خوش قسمتی

سے اس وقت گورنر مورس کا ضمیر جاگ اٹھا اور رابرٹ مورس کے برعکس اس نے 2 جولائی کو جیمز میڈی سن کو خط لکھا کہ ''امراء اپنی بالادستی قائم کر کے باقی سب عوام کو غلام بنانے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے ہمیشہ ایسا کیا اور آئندہ بھی کریں گے۔ ان کا اثر ونفوذ یہاں بھی وہی ہوگا جو ہر جگہ ہے۔ اگر ہم حکومتی طاقت کے ساتھ ان کا راستہ نہ روک دیں!'' جیمز میڈیسن نجی ملکیت میں کسی سینٹرل بینک کے قیام کا مخالف تھا کیوں کہ وہ بینک آف انگلینڈ کے ہاتھوں عوام کے استحصال کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ تھامس جیفرسن بھی ان کے مخالف تھے اور بعدازاں انہوں نے یہ بیان جاری کیا کہ ''اگر امریکی عوام نے کبھی پرائیویٹ بینکوں کو کرنسی کے معاملات کنٹرول کرنے کی اجازت دی تو پہلے افراطِ زر (Inflation) اور پھر قلت زر (Deflation) کے ذریعے، بینک اور ان کی طفیلی کارپوریشنیں لوگوں کو تمام جائیدادوں سے محروم کر دیں گی۔ یہاں تک ان کے بچے، اس براعظم (امریکہ) میں بے گھر ہو جائیں گے جسے ان کے آباؤاجداد نے فتح کیا تھا۔'' افسوس کہ گورنر مورس اور تھامس جیفرسن کے دانشمندی پر مبنی ان خیالات پر کان بند کر لیے گئے۔ الیگزینڈر ہملٹن، رابرٹ مورس اور تھامس ویلنگ نے اس آئینی کنونشن کے بیشتر شرکاء کو قائل کر لیا کہ وہ گورنر مورس کو کانگریس سے خطاب نہ کرنے دیں۔ انہیں اس بات کا علم تھا کہ ان شرکاء میں سے اکثر دورِ انقلاب میں کاغذی کرنسی کی بہتات کے اثرات سے ابھی تک متاثر تھے۔ ان شرکاء کی یاداشت بھی بہت کمزور تھی کیوں کہ وہ یہ بھول گئے تھے کہ جنگ سے پہلے کالونیل حکمتِ عملی کتنی مؤثر ثابت ہوئی تھی۔ اسی طرح انہیں 1764ء میں بنجمن فرینکلن کے دانا الفاظ بھی یاد نہ رہے۔ چوں کہ آئین کاغذی کرنسی کے حوالے سے خاموش تھا، اس لیے منی چینجروں کے لیے مستقبل میں دروازے کھلے رہے۔

☆1790ء: آئین کی منظوری کے 3 سال سے بھی کم عرصے میں خزانے کے نئے وزیر الیگزینڈر ہملٹن نے کانگریس کو ایک اور نجی سینٹرل بینک قائم کرنے کی تجویز دی۔ دلچسپ بات ہے کہ 1788ء میں ہملٹن نے قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد پہلی ملازمت رابرٹ مورس کے معاون کے طور پر کی تھی اور جس نے 1781ء میں کہا تھا کہ ''قومی قرضے اگر حد سے زائد نہ ہوں تو یہ قوم کے لیے نعمت ہیں۔''

☆1791ء: بینک آف نارتھ امریکہ کے پیچھے 3 بڑے کھلاڑی رابرٹ مورس، الیگزینڈر ہملٹن اور بینک کا صدر تھامس ولنگ تھے۔ ان تینوں نے ہمت نہ ہاری اور الیگزینڈر ہملٹن اب سیکریٹری خزانہ تھا اور رابرٹ مورس کو اپنا ''استاذ'' قرار دیتا تھا، اُس نے نئی کانگریس سے نئے سینٹرل بینک کے قیام کی منظوری لے لی۔ یہ نیا بینک ''فرسٹ بینک آف یونائیٹڈ سٹیٹس'' بالکل بینک آف نارتھ امریکہ کی طرز پر قائم کیا گیا۔ رابرٹ مورس اسے کنٹرول کرتا تھا۔ تھامس ولنگ صدر تھا اور صرف نام تبدیل کیا گیا۔ یہ بینک ایک سال تک طویل بحث ومباحثے کے بعد وجود میں آیا اور اسے 20 سال کے لیے چارٹر دیا گیا۔ اسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی کرنسی چھاپنے کا اختیار دے دیا گیا حالاں کہ بینک کے 80 فیصد حصص نجی شعبے کی ملکیت تھے جب کہ باقی ماندہ 20 فیصد حصص حکومت کے پاس تھے لیکن اس کے بھی 80 فیصد حصص پرائیویٹ سرمایہ کار خرید سکتے تھے۔ بینک آف انگلینڈ اور پرانے بینک آف نارتھ امریکہ کی طرح نجی سرمایہ کاروں کو ان کے حصص کی متفقہ علیہ رقوم کی ادائیگی کبھی نہ کی گئی۔ جعلی ریزرو بینکنگ کے فراڈ نظام کے ذریعے حکومت کے 20 فیصد حصص یعنی 20 لاکھ ڈالر کیش کو نجی سرمایہ کاروں کو قرض دینے کے لیے استعمال کیا گیا تھا کہ وہ اس 20 فیصد کے دیگر 80 فیصد حصص یعنی 8 لاکھ ڈالر خرید سکیں۔ البتہ بینک آف انگلینڈ اور بینک آف نارتھ امریکہ کے برعکس اس بینک کا ایسا نام رکھا گیا جس سے پتا چلتا ہو کہ یہ ایک نجی ادارہ ہے۔ اس بینک نے سرمایہ کاروں کے نام کبھی ظاہر نہیں کیے، حالاں کہ اس وقت یہ تاثر عام ہو گیا تھا کہ اس بینک کی ملکیت روتھ شیلڈ کے پاس ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 1790ء میں جب الیگزینڈر ہملٹن نے اس بینک کی تجویز کانگریس میں پیش کی تو میئر ایمشیل روتھ شیلڈ نے یہ بیان دیا کہ ''مجھے قوم کے کرنسی کے اجرا اور اسے کنٹرول کرنے کی اجازت دے دو اور پھر میری بلا سے جو چاہے قانون بناتا رہے۔''

☆1796ء: دی فرسٹ بینک آف یونائیٹڈ سٹیٹس 5 سال تک امریکی کرنسی کی سپلائی کا عمل کنٹرول کرتا رہا۔ اس دوران حکومت نے اس سینٹرل بینک سے 82 لاکھ ڈالر کا قرضہ حاصل کیا۔ اس عرصے میں ملک میں اشیاء کی قیمتیں 72 فیصد سے زائد بڑھ گئیں۔ وزیر خارجہ تھامس جیفرسن نے اس حوالے سے کہا کہ ''کاش ہمارے آئین میں صرف ایک ترمیم کر لی جاتی جس کے

تحت وفاقی حکومت سے قرضے لینے کا اختیار واپس لے لیا جاتا۔"

☆1798ء: میئر ایمشیل روتھ شیلڈ نے اپنے 21 سالہ بیٹے ناتھن کو 20 ہزار پاؤنڈ کی رقم دے کر انگلینڈ بھیجا تا کہ وہاں منی چینجر کا کاروبار شروع کر سکے۔

☆1800ء: فرانس میں بینک آف فرانس قائم کیا گیا۔ تاہم نپولین نے فیصلہ کیا کہ فرانس کو قرضوں سے پاک ہونا چاہیے۔ اس نے بینک پر کبھی اعتبار نہیں کیا۔ اس نے اعلان کیا کہ جب کوئی حکومت بینکروں کے پیسے پر انحصار کرتی ہے تو یہ حکومتی لیڈر نہیں بلکہ بینکر ہوتے ہیں جو ملک کا کنٹرول سنبھال لیتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ کے اوپر ہوتا ہے۔ پیسے کا کوئی ملک نہیں ہوتا۔ سرمایہ دار حب الوطنی اور شائستگی سے پاک ہوتے ہیں، ان کا واحد مقصد دولت بڑھانا ہوتا ہے۔

☆1803ء: تھامس جیفرسن اب امریکہ کے صدر تھے اور انہوں نے فرانس کے نپولین کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے تحت امریکہ نے دریائے مسسپی کے مغرب میں واقع علاقے کے بدلے نپولین کو 30 لاکھ ڈالرز مالیت کا سونا ادا کیا۔ اس سودے کو Louisiana Purchase کا نام دیا گیا۔ نپولین نے یہ سونا اپنی فوج منظم کرنے کے لیے استعمال کیا۔ پھر اس کے ساتھ اس نے پورے یورپ پر چڑھائی کر دی اور رستے میں آنے والے ہر چیز فنا کر دی۔ بینک آف انگلینڈ فوراً نپولین کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بینک نے نپولین کے مخالف ہر ملک کو مالی معاونت فراہم کی اور حسب روایت جنگ سے مالی منفعت حاصل کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نپولین کا رستہ روکنے کے چکر میں پہلے پروشیا اور آسٹریا اور آخر میں روس بری طرح مقروض ہو گئے۔

☆1807ء: 30 سالہ ناتھن روتھ شیلڈ، لندن میں اپنے خاندان کے کاروبار کا انچارج تھا، اُس نے نپولین پر حملے کے لیے سپین کے ڈیوک آف ولنگٹن کو رقم فراہم کرنے کے لیے ذاتی طور پر سونے کی سمگلنگ کے پلان کی ذمہ داری سنبھالی۔

☆1811ء: کانگریس میں فرسٹ بینک آف یو ایس اے کے چارٹر کی تجدید کے لیے ایک بل پیش کیا گیا۔ پنسلوینیا اور ورجینیا سے تعلق رکھنے والے ارکان نے ایک قرارداد منظور کر کے کانگریس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بینک کو ختم کر دیں۔ قومی پریس نے کھلے عام بینک پر تنقید

کرتے ہوئے اسے ٹھگ، گدھ، زہریلا سانپ اور کوبرا قرار دیا۔ ناتھن روتھ شیلڈ نے اس موقع پر ایک بیان میں یہ انکشاف کیا کہ امریکہ کے فرسٹ بینک کے قیام کے پیچھے حقیقتاً کس کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے خبردار کیا کہ ''امریکہ یا تو چارٹر کی تجدید کر دے یا اسے ایک تباہ کن جنگ کا سامنا کرنا ہو گا۔'' جب اس بحث کی گرد بیٹھی تو تجدیدی بل ایوانِ نمائندگان میں صرف ایک ووٹ کی اکثریت سے منظور ہوا جب کہ سینٹ میں اس معاملے پر ڈیڈلاک آ گیا۔ اس وقت امریکہ کے چوتھے صدر جیمز میڈیسن، وائٹ ہاؤس میں متمکن تھے۔ وہ اس بینک کے زبردست مخالف تھے اور انہوں نے اپنے نائب صدر جارج کلنٹن کو سینٹ میں بینک سے تمام معاملات ختم کرنے کے لیے بھیجا۔

☆1812ء: جیسا کہ ناتھن روتھ شیلڈ نے دھمکی دی تھی۔ چوں کہ سینٹ نے فرسٹ بینک آف یو ایس اے کے چارٹر کی تجدید نہیں کی تھی، اس لیے ہزاروں افراد کو مرنا پڑنا تھا۔ چنانچہ انگلینڈ نے امریکہ پر حملہ کر دیا۔ تاہم برطانوی فوج، نپولین کے ساتھ بھی برسرِ پیکار تھی، اس لیے انگلینڈ کے حملے میں زیادہ شدت نہیں تھی اور امریکہ کو شکست دیئے بغیر جنگ 1814ء میں اختتام کو پہنچ گئی۔

☆1814ء: جنوب کی سمت سے ولنگٹن کے حملے اور دیگر شکستوں کے نتیجے میں نپولین کو پسپائی پر مجبور کر دیا گیا اور اس کی جگہ لوئی ہشتم، فرانس کا بادشاہ بن گیا جب کہ نپولین کو ایک چھوٹے سے اطالوی جزیرے ایلبا میں جلاوطن ہونا پڑا۔

☆1815ء: نپولین جلاوطنی ختم کر کے واپس فرانس آ گیا۔ اسے گرفتار کرنے کے لیے فرانسیسی سپاہی بھیجے گئے۔ لیکن اس نے اپنے کرشماتی انداز سے ان سپاہیوں کو اپنا مطیع بنا لیا اور انہوں نے اسے دوبارہ اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیا۔ مارچ میں نپولین نے اپنی فوج تیار کی لیکن 90 روز بعد ہی واٹرلو کے محاذ پر ولنگٹن نے اسے شکست دے دی۔ اگرچہ نتیجہ مرضی کے مطابق نکلا تھا لیکن یہ بینکر کوئی رسک لینے پر آمادہ نہیں تھے۔ یہ لوگ ویسے بھی اجارہ داری قائم کرنے کے عادی تھے۔ لہٰذا ناتھن روتھ شیلڈ نے اپنا بااعتماد پیغام رساں راتھورتھ ''واٹرلو'' کے میدانِ جنگ بھیجا جہاں وہ محاذ کے قریب رہ کر صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہا۔ جب جنگ کا نتیجہ برآمد ہو گیا تو راتھورتھ انگلش چینل کے راستے واپس پہنچا اور ناتھن کو ولنگٹن کا ایلچی پہنچنے سے 24 گھنٹے پہلے فتح کی خوشخبری سنا

دی۔ ناتھن دوڑا دوڑا لندن سٹاک ایکسچینج پہنچا اور اپنی معمول کی جگہ پر جا کھڑا ہوا۔ سب لوگوں کی نظریں اس پر تھیں کیوں کہ ناتھن کا مواصلاتی نیٹ ورک بہت وسیع تھا۔ ناتھن کچھ دیر ملول کھڑا رہا پھر اچانک حصص کی فروخت شروع کر دی۔ دیگر تاجروں نے اس کا یہ مطلب لیا کہ نپولین جنگ جیت چکا ہے، چنانچہ سراسیمگی میں انہوں نے دھڑا دھڑ حصص کی فروخت شروع کر دی۔ نتیجتاً مارکیٹ کریش ہو گئی، جلد ہی ہر کوئی حصص بیچنے لگا۔ لیکن پھر اچانک روتھ شیلڈ نے خاموشی سے حصص خریدنا شروع کر دیئے کیوں کہ برطانوی حکومت کے یہ بانڈ بینک آف انگلینڈ کو منتقل کیے جا سکتے تھے۔ اس طرح روتھ شیلڈ کو بینک کے معاملات اور رقم کی سپلائی پر کنٹرول حاصل ہو گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 100 سال بعد نیویارک ٹائمز نے ایک سٹوری شائع کی جس میں ناتھن کے پوتے کے بارے میں رپورٹ دی گئی کہ اس نے ایک عدالتی حکم حاصل کر کے ایک ایک ایسی کتاب کو دبانے کی کوشش کی جس میں اس طریقۂ کار کی کہانی بیان کی گئی تھی جسے آج ''ان سائیڈر ٹریڈنگ'' کہا جاتا ہے۔ ناتھن فیملی نے دعویٰ کیا کہ یہ سٹوری غلط اور من گھڑت ہے۔ لیکن عدالت نے یہ مؤقف مسترد کر کے ناتھن فیملی کو تمام عدالتی اخراجات ادا کرنے کا حکم دیا۔ ناتھن روتھ شیلڈ کھلے عام یہ کہتا تھا کہ انگلینڈ میں اس کے قیام کے 17 سال کے دوران اس نے اپنے باپ کی طرف سے ملنے والی 20 ہزار پاؤنڈ کی ابتدائی رقم 2500 گنا بڑھا کر 50 کروڑ پاؤنڈ کر لی ہے۔ کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ بینکر آخر جنگ کیوں چاہتے ہیں؟ سیدھی سی بات ہے کہ وہ جنگ کے دونوں فریقوں کو فنانس کرتے ہیں۔ وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کیوں کہ جنگ ہی قرضوں کی سب سے بڑی وجہ بنتی ہے۔ کوئی بھی ملک فتح کے لیے قرضے حاصل کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہتا، چاہے بینکوں نے جنگ کے نتائج پہلے ہی اخذ کر رکھے ہوں۔ ہارنے والے کو قرضہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ اسے فتح کی موہوم امید ہوتی ہے اور جیتنے والے کو قرض اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ جیت رہا ہوتا ہے۔ تو پھر بینکوں کو یہ یقین کیسے ہوتا ہے کہ انہیں ان کا پیسے واپس ملے گا؟ آسان سا جواب ہے کہ ایسے قرضے اس ضمانت پر دیئے جاتے ہیں کہ فاتح مفتوح کے قرضوں کا احترام کرے گا۔ جہاں تک مرنے والے ہزاروں افراد کا تعلق ہے تو اس کی کی فکر نہ کریں، انہوں نے اپنے ملک کی آبرو کے لیے جان دی جب کہ حقیقی فائدہ بینکروں کو ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بینک آف

انگلینڈ کے 1694ء میں قیام اور واٹرلو کے میدان میں نپولین کی شکست کے وقت انگلینڈ 56 برس سے حالتِ جنگ میں تھا یا پھر جنگ کی تیاری کرتا رہا تھا۔ اگر اس عمل سے فائدہ ہی فائدہ پہنچتا ہو تو بینکروں کو اس میں تبدیلی کی کیا ضرورت تھی۔

☆1816ء: امریکی کانگریس نے ایک بل کی منظوری دی جس کے تحت ایک اور نجی سینٹرل بینک کے قیام کی اجازت دے دی گئی۔ اس کا نام سیکنڈ بینک آف دی یونائیٹڈ سٹیٹس رکھا گیا اور اس کا چارٹر ہو بہو ہو اس کے پیش رو فرسٹ بینک کے چارٹر کی نقل تھا۔ حکومت امریکہ نے ایک بار پھر بینک کے مبینہ طور پر 20 فیصد حصص کی ملکیت حاصل کر لی۔ ان حصص کو پھر بینک میں فروخت کے لیے پیش کیا گیا اور فراڈ ریزرو قرضے کے نظام کی مہربانی سے ان 20 فیصد حصص کے 80 فیصد حصص فروخت کر دیئے گئے۔ حسب سابق سرمایہ کاروں کے نام صیغۂ راز میں رکھے گئے۔

☆1826ء: انگلینڈ میں ٹیلی سٹک سسٹم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

☆1828ء: سیکنڈ بینک آف یو ایس اے نے اپنے قیام کے ان 12 برسوں میں امریکی معیشت کے ساتھ خوب کھیلا اور اپنا پیسہ بنانے کے چکر میں عوام کی ناک میں دَم کر دیا لیکن اب اس کا انجام قریب تھا۔ اس بینک کے مخالفین میں سے ایک امریکی ریاست ٹینیسی (Tennesee) کے سینیٹر اینڈریو جیکسن نے صدارتی الیکشن لڑنے کا اعلان کر دیا۔ منی چینجروں کو اس وقت انتہائی صدمہ پہنچا جب اینڈریو جیکسن الیکشن جیت گئے اور انہوں نے بالکل واضح کر دیا کہ وہ سیکنڈ بینک کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اپنے پہلے عرصۂ صدارت کے دوران اس نے بینکوں کے کئی خیر خواہ حکومتی ملازمت سے نکال باہر کیے۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اس کینسر کی جڑیں کتنی گہری ہیں، صدر نے وفاقی حکومت کے کل 11 ہزار میں سے 2 ہزار ملازمین برطرف کر دیئے۔

☆1832ء: سیکنڈ بینک نے کانگریس سے چارٹر کی تجدید کی درخواست کی، حالاں کہ ابھی اس کی مدت ختم ہونے میں 4 سال باقی تھے۔ کانگریس نے تعمیل کرتے ہوئے بل دستخط کے لیے صدر جیکسن کے پاس بھیجا۔ انہوں نے بل ویٹو کر دیا اور اس ضمن میں کانگریس کو یہ ویٹو پیغام بھیجا کہ "یہ صرف ہمارے شہری نہیں جو حکومت سے فوائد حاصل کر رہے ہیں بلکہ بینک کے 80 لاکھ حصص غیر ملکیوں کے پاس ہیں..... کیا بینک سے ہماری آزادی اور خود مختاری کو کوئی خطرہ نہیں،

حالاں کہ اپنی حیثیت ہمارے ملک کی بہت ہی کم تابع ہے۔ ہماری کرنسی پر کنٹرول ہمارے عوام سے رقم وصول کرنا اور ہزاروں شہریوں کا بینک پر انحصار ہمارے دشمن کی فوجی طاقت سے زیادہ خطرناک اور مضر ہے۔ اگر حکومت مساویانہ تحفظ کی دعویدار ہے اور جیسا کہ قدرت امیر وغریب پر بلاتفریق بارانِ رحمت برساتی ہے تو اس تناظر میں یہ بل منظور کرنا اُن کو الیفائیڈ مہربانی ہوگی، مجھے سے پہلے ان منصفانہ اصولوں سے بڑی حد تک پہلو تہی کی جاتی رہی ہے۔'' جولائی میں کانگریس ویٹو ختم کرنے میں ناکام رہی۔ اس کے بعد صدر جیکسن دوسری مدت کے لیے صدارت کے امیدوار بن گئے اور امریکہ تاریخ میں پہلی بار انہوں نے سڑکوں پر انتخابی مہم کے ذریعے براہِ راست عوام سے تبادلہ خیال کیا۔ ان کی انتخابی مہم کا نعرہ تھا: ''جیکسن اور کوئی بینک نہیں!'' اس کے باوجود بینکروں نے ان کی مخالفت میں 30 لاکھ ڈالر کی سرمایہ کاری کی اور جیکسن کے مخالف ری پبلکن سینیٹر ہنری کلے کو سپورٹ کیا۔ تاہم اینڈریو جیکسن نومبر میں دوسری بار بھاری اکثریت کے ساتھ صدر منتخب ہو گئے، لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ جنگ کا محض نکتہ آغاز ہے اور جیت کے بعد انہوں نے کہا کہ ''بدعنوانی کا عفریت ابھی مفلوج ہوا ہے، مرا نہیں۔''

☆1833ء: صدر جیکسن نے راجر بی ٹینی کو وزیر خزانہ مقرر کیا اور ہدایت کی کہ سیکنڈ بینک کے حکومتی حصص واپس لے لیے جائیں۔ اس سے پہلے صدر جیکسن نے 2 وزرائے خزانہ ولیم ڈوین اور لوئی میکلین نے صدر کے احکامات کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا اور اس کے نتیجے میں انہیں برطرف کر دیا گیا۔ البتہ سیکنڈ بینک کے صدر نکولس بڈل نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے وزیر خزانہ کی سینٹ سے منظوری مسترد کرا دی اور دھمکی دی کہ اگر چارٹر منظور نہ کیا گیا تو وہ ملک میں اقتصادی بحران پیدا کر دیں گے۔ اس نے کہا کہ ''اگر فاضل صدر امریکہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے ریڈ انڈین باشندوں کا صفایا کیا اور ججوں کو قید کیا، وہ اسی طرح ہمارے بینک کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔'' اس کے بعد بڈل نے دیدہ دلیری سے اعتراف کیا کہ وہ کانگریس کو چارٹر کی تجدید پر مجبور کرنے کے لیے پیسے کا ہتھیار استعمال کرے گا۔ اس نے کہا کہ ''کانگریس پر وسیع پیمانے پر نقصان کا اثر پڑے گا..... ہماری واحد بچت یہ ہے کہ ہم پابندیوں کا سخت راستہ اختیار کریں، اور مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ بالآخر ہم کرنسی کی بحالی

اور بینک کے چارٹر کی تجدید کا مقصد حاصل کرلیں گے۔"

☆1835ء: کانگریس کا وہ اجلاس شروع ہوا جسے Panic Session کہا جاتا ہے اور 27 مارچ کو کانگریس نے باضابطہ طور پر صدر جیکسن کی سیکنڈ بینک سے سرکاری حصص نکالنے پر سرزنش کی۔ یہ تحریک 20 کے مقابلے میں 26 ووٹوں سے منظور کرلی گئی۔ امریکی تاریخ میں پہلی بار کسی صدر کی سرزنش کی گئی، جس پر امریکی صدر پھٹ پڑے اور بینک سے کہا کہ "تم لوگ چوروں اور ٹھگوں کا ٹولہ ہو، میں تمہیں نکال باہر کرنا چاہتا ہوں اور خدا کی قسم میں تمہیں نکال کر رہوں گا۔" پنسلوینیا کے گورنر جارج وولف نے صدر کی حمایت کرتے ہوئے بینک پر کڑی تنقید کی۔ اس کے ساتھ یہ حقیقت کہ نکولس بڈل نے سرعام معیشت کو ڈبونے کی باتیں کی تھیں، کے باعث ایوان کی رائے میں تبدیلی آئی اور کانگریس نے یوٹرن لیتے ہوئے 82 کے مقابلے میں 134 ووٹوں سے بینک کو نیا چارٹر دینے کا بل مسترد کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایک اور ووٹنگ کے ذریعے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی گئی تاکہ یہ تحقیقات کرائی جاسکے کہ معیشت کے کریش میں بینک کا ہاتھ تھا۔ لیکن جب انکوائری کمیٹی فلاڈلفیا میں بینک کے کھاتے چیک کرنے کے لیے پہنچی تو نکولس بڈل نے ریکارڈ یا قرضوں کی دستاویزات کا معائنہ کروانے سے انکار کر دیا۔ اس نے واشنگٹن میں کمیٹی کے سامنے پیش ہونے سے بھی انکار کیا۔

☆1836ء: سیکنڈ بینک آف یو ایس اے کے چارٹر کی مدت ختم ہوگئی اور بینک نے امریکہ میں سینٹرل بینک کے طور پر کام بند کر دیا۔ بعدازاں، نکولس کو دھوکہ دہی کے الزام میں گرفتار بھی کرلیا گیا۔ اس پر مقدمہ چلا لیکن وہ بری ہوگیا۔ البتہ وہ سول مقدمات کے خلاف لڑتے لڑتے 1844ء میں مرگیا۔

☆1838ء: 8 جنوری کو صدر جیکسن نے قومی قرضے کی آخری قسط ادا کر دی جو پہلے بینکوں کو حکومتی بانڈز کے اجرا کی اجازت دینے کے لیے ضروری تھی۔ وہ واحد امریکی صدر تھے جو قرضے واپس کرنے میں کامیاب رہے۔ 30 جنوری کو ایک قاتل رچرڈ لارنس نے صدر جیکسن کو گولی مارنے کی کوشش کی لیکن خوش قسمتی سے پستول کے دونوں فائر ضائع گئے۔ لارنس پر عدالت میں جرم ثابت نہ ہوسکا لیکن رہائی کے بعد وہ کھلے عام یہ کہتا پھرتا تھا کہ یورپ کے طاقتور لوگوں

نے اسے یہ ٹاسک سونپی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ میں اگر پکڑا گیا تو وہ مجھے بچالیں گے۔ جب صدر جیکسن سے ایک بار سوال کیا گیا کہ آپ کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی کیا تھی؟ تو انہوں نے بلاتوقف جواب دیا کہ ''میں نے بینک کا خاتمہ کیا۔'' اس کے بعد منی چینجروں کو نیا سینٹرل بینک قائم کرنے میں مزید 75 برس لگے۔ اس کا نام فیڈرل ریزروز رکھا گیا۔ اس وقت انہوں نے کوئی چانس لیے بغیر اس کی سربراہی روتھ شیلڈ کی نسل کے جیکب شف کے سپرد کردی۔

☆1852ء: مستقبل کے برطانوی وزیراعظم ولیم گلیڈسٹون نے خزانے کے چانسلر کی حیثیت سے یہ بیان دیا کہ ''جب سے میں نے چانسلر کا منصب سنبھالا، میں نے یہ سیکھا کہ ریاست مالی معاملات میں جھوٹا موقف اختیار کرتی ہے۔''

☆1861ء: صدر ابراہام لنکن کے اقتدار میں آنے کے ایک ماہ بعد ہی امریکہ کے علاقوں فورٹ سمٹر اور جنوبی کیرولینا میں جنوبی کیرولینا کے یونین سے نکلنے پر خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اگرچہ غلامی کو خانہ جنگی کی وجہ قرار دیا جاتا رہا تھا لیکن صدر لنکن نے خود یہ کہا کہ ''میرا غلامی کے ادارے سے کوئی بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق نہیں، اور میرا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا بلکہ میرا اوّلین مقصد یونین کو بچانا ہے۔ اگر میں ایک بھی غلام آزاد کیے بغیر یونین بچا سکتا تو میں ایسا ہی کرتا۔'' جنگ کی اصل وجہ یہ تھی کہ جنوبی ریاستیں، شمالی ریاستوں کے اقدامات کی بدولت سخت مالی مشکلات کا شکار تھیں۔ شمالی صنعتکاروں نے جنوبی ریاستوں کو سستی یورپی مصنوعات کی خریداری سے روکنے کے لیے ٹریڈ ٹیرف استعمال کیے جس کا جواب دینے کے لیے یورپ نے جنوب سے کاٹن کی درآمد روک دی۔ اس طرح جنوبی علاقوں کو دونوں طرف سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک طرف انہیں شمالی صنعتکاروں کی مہنگی اشیاء خریدنا پڑیں جب کہ دوسری طرف یورپ کو برآمدات بند ہونے سے ان کی آمدن کم ہو چکی تھی۔ یہی وہ وقت تھا کہ منی چینجروں نے امریکہ کو تقسیم کر کے ختم کرنے کا موقع پا کر اسے خانہ جنگی کی طرف دھکیل دیا۔ اس کی تصدیق اوٹو وان بسمارک نے کی جب وہ جرمنی کے چانسلر (1871-1890ء) تھے۔ انہوں نے کہا کہ ''خانہ جنگی سے بہت عرصہ پہلے یورپ کی بڑی مالیاتی طاقتوں نے امریکہ کو مساوی قوت کی حامل فیڈریشن میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ان بینکروں کو خوف تھا کہ امریکہ اگر ایک اکائی اور قوم رہا تو وہ معاشی اور مالیاتی آزادی

حاصل کرلے گا جس سے ان کا دنیا پر مالیاتی غلبہ متاثر ہوگا۔'' جنوبی کیرولینا میں اس کھیل کے چند ہی مہینوں بعد سینٹرل بینکروں نے نپولین سوم (واٹرلو کے میدان والے نپولین کے پوتے) کو میکسیکو پر قبضے کے لیے 21 کروڑ فرانک کا قرضہ دیا۔ اس طرح امریکہ کے جنوبی بارڈر پر فرانسیسی فوجیں مقیم ہوگئیں اور امریکی خانہ جنگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میکسیکو کو نوآبادی میں تبدیل کر دیا گیا۔ فرانس کا یہ اقدام اس ''منروڈاکٹرائن'' (Monroe Doctrine) کی کھلی خلاف ورزی تھی، جو امریکی صدر جیمز منرو نے 1823ء میں کانگریس سے ساتویں سٹیٹ آف دی یونین خطاب میں پیش کیا تھا۔ اس نظریے کے مطابق یورپی طاقتوں کو دونوں امریکی براعظموں کے کسی علاقے کو غلام بنانے یا وہاں قائم خودمختار حکومتوں میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ ان میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ، میکسیکو اور دیگر ملک شامل تھے۔ اس کے بدلے میں امریکہ کو یورپی طاقتوں کی باہمی اور یورپی طاقتوں کی غلام علاقوں کے ساتھ جنگوں میں غیر جانب دار رہنا تھا۔ لیکن اگر ایسی کوئی جنگ براعظم شمالی و جنوبی امریکہ میں لڑی گئی تو یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ (یو ایس اے) کے خلاف جارحیت متصور ہوگی جہاں ایک طرف فرانسیسی، منروڈاکٹرائن کی دھجیاں اُڑا رہے تھے اور دوسری طرف انگریزوں نے ان کی تقلید کرتے ہوئے 11 ہزار فوجی کینیڈا پر اتار دیئے اور یوں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی شمالی سرحد پر ڈیرے ڈال لیے تھے۔ صدر لنکن جانتے تھے کہ وہ مشکل میں تھے، چنانچہ وہ اپنے وزیر خزانہ سالومن پی چیز (Salomon P. Chase) کے ساتھ نیویارک گئے تاکہ امریکہ کے دفاع کے لیے قرضے حاصل کیے جاسکیں۔ چوں کہ منی چینجروں نے یونین کو ناکام بنانے کے لیے یہ جنگ انجینئر کی تھی اور وہ اسے اب بچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے یو ایس اے کو 24 فیصد سے 36 فیصد تک بلند شرح سود پر قرضوں کی پیشکش کی۔ صدر لنکن نے انکار کر دیا اور منی چینجروں کو اس انکار کی پہلے سے توقع تھی۔ صدر نے واپس واشنگٹن آ کر جنگ کے اخراجات کے حوالے سے شکاگو کے کرنل ڈک ٹیلر کو انچارج مقرر کر دیا۔ ایک ملاقات کے دوران صدر لنکن نے اس سے پوچھا کہ تم نے جنگی اخراجات کے لیے کیا تجاویز مرتب کی ہیں تو کرنل ڈک ٹیلر نے کہا، ''جناب صدر! یہ بہت آسان کام ہے۔ آپ صرف کانگریس سے مکمل قانونی کرنسی نوٹ چھاپنے کا بل منظور کرائیں اور اپنے فوجیوں کو تنخواہیں دیں اور آگے بڑھ کر ان

(منی چینجروں) کے خلاف جنگ بھی جیت لیں۔'' صدر نے کرنل سے پوچھا کہ کیا امریکی عوام ان نوٹوں کو قبول کرلیں گے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ''عوام سمیت کسی کو ان نوٹوں پر اس صورت میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اگر آپ انہیں مکمل قانونی حیثیت میں چھاپیں گے۔ ان نوٹوں کو حکومت کی بھرپور منظوری حاصل ہوگی اور یہ کرنسی کے برابر ہی ہوں گے کیوں کہ آئین نے کانگریس کو ایسا اختیار دیا ہے۔''

☆1862ء: صدر لنکن نے 45 کروڑ ڈالر مالیت کے نئے نوٹوں کی طباعت کا کام شروع کیا، ان نوٹوں کو سبز روشنائی سے ریورس سائیڈ سے چھاپا گیا تا کہ یہ مارکیٹ میں موجود دیگر نوٹوں سے مختلف نظر آئیں اور ان بلز کو گرین بیکس (Greenbacks) کہا گیا۔ یہ بل وفاقی حکومت کو بلاسود فراہم کیے گئے اور انہیں فوجیوں کی تنخواہوں اور دیگر اخراجات کے لیے استعمال کیا گیا۔ صدر لنکن آخری امریکی صدر تھے جنہوں نے بلاسود کرنسی نوٹ چھاپے۔ اس حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ ''حکومت کو اپنے اخراجات چلانے اور صارفین کی قوت خرید کے لیے تمام قسم کے کرنسی نوٹ خود چھاپنے چاہییں۔ کرنسی کی تیاری اور اجرا نہ صرف حکومت کا فرض منصبی ہے بلکہ یہ حکومت کا عظیم ترین تخلیق کردہ موقع بھی ہوگا۔ ان اصولوں کو اپناتے ہوئے..... ٹیکس دہندگان بھاری سود سے بچ جائیں گے، پیسہ یا Money آقا نہیں رہے گا بلکہ انسانیت کا غلام بن جائے گا۔''

صدر کے اس بیان کے ردعمل میں اخبار ''ٹائمز آف لندن'' نے یقیناً بینکروں کی شہ پر ایک پراپیگنڈا مضمون میں کہا کہ ''اگر جمہوریہ شمالی امریکہ میں اختیار کی گئی مالیاتی پالیسی ایک معیار بن جاتی ہے تو حکومتیں کسی لاگت کے بغیر اپنا رقم بنائیں گی اور قرضہ ادا کر کے قرضوں سے پاک ہو جائیں گی۔ یہ تمام سرمایہ یا رقم تجارت میں لگائی جائے گی اور یہ دنیا کی مہذب حکومتوں کی تاریخ میں بے مثال خوش حال ملک ہوگا۔ تمام ملکوں کی دولت اور دماغ شمالی امریکہ چلے جائیں گے۔ ایسی حکومت کو یقیناً تباہ کیا جانا چاہیے یا پھر یہ دنیا کے نقشے پر موجود ہر بادشاہت کا خاتمہ کردے گی۔''

☆1863ء: بینکر جوابی حملہ کرتے ہیں۔ صدر لنکن کو گرین بیکس جاری کرنے کے لیے کانگریس سے مزید اختیار کی ضرورت تھی، لنکن پر بینکروں کے ''نیشنل بینکنگ ایکٹ'' کی کانگریس

سے منظوری کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ اس ایکٹ کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ اب سے پورے امریکہ کی کرنسی سپلائی قومی بینکوں کی طرف سے خریدے گئے حکومتی بانڈز کی خریداری کے ذریعے Debt سے ہوتا تھی اور یہ بانڈز انہیں بینک نوٹوں کے ریزرو کے لیے جاری ہوئے تھے۔ اس اجارہ داری کا بدترین پہلو یہ تھا کہ انہیں تقریباً ٹیکس فری سٹیٹس کے ساتھ کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ اس بینک سکینڈل کو بہترین انداز میں مؤرخ جان کینتھ گالبریتھ نے اس طرح واضح کیا ہے:

''جنگ کے کئی سال بعد تک وفاقی حکومت بھاری قرضوں کے بوجھ تلے دبی رہی اور ان کی ادائیگی کر سکی نہ ہی سکیورٹیز واپس لے سکی، کیوں کہ ایسا کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ نیشنل بینکوں کے نوٹوں کے پیچھے کوئی حکومتی بانڈ نہیں تھے، قرضہ معاف کرنے کا مطلب منی سپلائی کو تباہ کرنا تھا۔''

بعدازاں اسی سال زار روس الیگزینڈر دوم نے صدر لنکن کو غیر متوقع امداد دی۔ زار نے حکم جاری کیا کہ انگلینڈ یا فرانس نے اگر آئندہ امریکی خانہ جنگی میں مداخلت کی یا جنوبی ریاستوں کی امداد کی تو روس ایسے اقدام کو اعلانِ جنگ تصور کرے گا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس نے خالی دھمکی نہیں دی، اس نے بحرالکاہل میں موجود اپنے بحری بیڑے کو سان فرانسسکو کی بندرگاہ پر بھیج دیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ زار روس دراصل امریکہ کا خیر خواہ تھا بلکہ وہ بہت چالاک تھا۔ وہ جرمن چانسلر اوٹو وان بسمارک کی طرح واضح طور پر محسوس کر چکا تھا کہ منی چینجر میدان میں تھے، درحقیقت اس نے خود بھی روس میں سینٹرل بینک کے قیام کی تجویز مسترد کر دی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ امریکہ پر اگر برطانیہ یا فرانس کا کنٹرول ہو جاتا تو اس کا مطلب سینٹرل بینکوں کی برتری ہوتا اور بینکروں کی ایمپائر میں توسیع سے روس کو بھی خطرہ ہوتا۔

☆ 1864ء: صدر ابراہام لنکن 8 نومبر کو دوبارہ صدر منتخب ہو گئے اور 21 نومبر کو انہوں نے اپنے ایک دوست کو یہ لکھا: ''منی پاورز (Money Powers) اقوام کا زمانۂ امن میں شکار کرتی ہیں اور حالتِ جنگ میں ان سے دشمنی کرتی ہیں۔ یہ بادشاہت سے زیادہ شرمناک اور شہنشاہیت (Autocracy) سے زیادہ گستاخ متکبر جب کہ بیوروکریسی سے زیادہ خودغرض ہیں۔''

سابق وزیر خزانہ سالومن پی چیز نے کہا کہ ''میرے دور میں نیشنل بینکنگ ایکٹ کی راہ ہموار ہونا میری زندگی کی سب سے بڑی مالیاتی غلطی تھی۔ اس سے اجارہ داری قائم ہوئی اور ملکی مفادات کو

نقصان پہنچا۔"

☆1865ء : 14اپریل کو صدر لنکن کی دوسری مدت شروع ہونے کے 41روز اور آپومیٹوکس(Appomattox) کے مقام پر جنرل گرانٹ کے سامنے جنرل لی(General Lee) کے ہتھیار ڈالنے کے 5 روز بعد، صدر لنکن کو ایک شخص جان ولکس بوتھ (John Wilkes Booth) نے فورڈ تھیٹر میں گولی ماردی۔ وہ بعدازاں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے۔ اس واقعے کے 70 سال بعد 1934ء میں کینیڈا کے دارالعوام میں یہ الزام لگایا گیا کہ لنکن کے قتل کے ذمہ دار بین الاقوامی بینکر تھے۔ جس شخص نے یہ انکشاف کیا وہ کینیڈا کا جیرالڈ جی میک گیئر تھا۔ اس کے ہاتھ ملزم جان ولکس کے ٹرائل کے حوالے سے پبلک ریکارڈ کا غائب شدہ حصہ لگا تھا جو اسے سیکرٹ سروس ایجنٹوں نے فراہم کیا تھا۔ میک گیئر نے بیان کیا کہ کاغذات کے مطابق جان ولکس بوتھ ایک پیشہ ور قاتل تھا اور انٹرنیشنل بینکروں کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس کی ایوان میں تقریر کینیڈا کے اخبار "وینکوورسن" کے ایک آرٹیکل میں رپورٹ ہوئی۔ 2 مئی 1934ء کی تقریر میں انہوں نے کہا: "غلاموں کو آزاد کرنے والا ابراہام لنکن بین الاقوامی بینکروں کے نمائندہ گروپ کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں قتل کیا گیا، جو صدر کے نیشنل کریڈٹ سے متعلق عزائم سے خوف زدہ تھے۔ دنیا میں اس وقت ایک ہی ایسا گروہ ہوسکتا تھا جو امریکی صدر کی موت کا خواہاں ہوسکتا تھا۔ یہ لوگ صدر کے قومی کرنسی پروگرام کے مخالف تھے اور جنہوں نے ان کے ساتھ تمام خانہ جنگی کے دوران گرین بیکس کے معاملے پر جنگ کی تھی۔" جیرالڈ میک گیئر نے یہ بھی کہا کہ انٹرنیشنل بینکروں کا صدر کو قتل کرنے کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ وہ امریکہ میں دوبارہ سینٹرل بینک قائم کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ امریکی کرنسی کی بنیاد سونے پر ہو جن پر ان کا اپنا کنٹرول تھا۔ یہ صدر لنکن کی گرین بیکس پالیسی کے قطعی منافی تھا، جو امریکی مالیاتی معاملات نیک نیتی سے چلانے پر مبنی تھی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ "یہ لوگ گولڈ سٹینڈرڈ قائم کرنے کے خواہاں تھے اور یہ حق بھی چاہتے تھے کہ انہیں دنیا کی ہر کرنسی اور کریڈٹ کا اختیار مل جائے۔ لنکن کے راستے سے ہٹنے کی صورت میں انہیں اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع مل جاتا۔ لنکن کی موت کے 2 سال کے اندر چاندی کا استعمال ترک کر کے امریکہ میں گولڈ سٹینڈرڈ سسٹم رائج کر دیا گیا۔

☆1866ء: یورپ کے سینٹرل بینکر، سینٹرل بینک کے دوبارہ قیام اور امریکی کرنسی کی بنیاد سونے پر رکھنے کے خواہشمند تھے۔ انہوں نے نے سونے کا انتخاب اس لیے کیا کہ سونا عموماً کمیاب ہوتا ہے، چنانچہ اس پر اجارہ داری نسبتاً آسان ہوتی ہے۔ دوسری طرف امریکہ میں چاندی کے وسیع ذخائر تھے اور دریافت بھی ہو چکے تھے۔ لہٰذا 12 اپریل کو امریکی کانگریس ایک بار پھر یورپی سینٹرل بینکروں کے پر کاٹنے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس نے "Contraction Act" کی منظوری دی جس کے تحت وزیر خزانہ کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ زیر گردش گرین بیکس میں سے کچھ حصہ نکال کر منی سپلائی کا کنٹریکٹ کر سکتا تھا۔ منی کنٹریکشن اور اس کے تباہ کن نتائج کے حوالے سے تھیوڈور آرتھورین اور رچرڈ ایف واکر نے اپنی کتاب "The Truth in Money Book" میں یہ لکھا کہ "خانہ جنگی کے بعد آنے والا مشکل دَور ٹل سکتا تھا اگر گرین بیکس کا اجرا جاری رہتا جیسا کہ صدر لنکن چاہتے تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ اس کی بجائے کئی قسم کی مالیاتی سراسیمگی پھیل گئی جسے ہم کساد بازاری کہتے ہیں۔ اس طرح کانگریس پر یہ دباؤ بڑھ گیا کہ وہ بینکنگ سسٹم کو سینٹرلائزڈ کنٹرول میں لائے۔ آخر کار 23 دسمبر 1913ء میں فیڈرل ریزرو ایکٹ منظور کر لیا گیا، اس طرح "کنٹریکشن ایکٹ" جس کی کانگریس نے منظوری دی، نے امریکہ کو متاثر کیا (پیسے کی سپلائی کم ہو گئی، کیوں کہ زیر گردش کرنسی سسٹم سے نکالی جا رہی تھی)۔ 1866ء میں ایک ارب 80 کروڑ ڈالر سرمایہ گردش میں تھا اور فی کس آمدنی تقریباً 50.46 ڈالر، 1867ء میں ایک ارب 30 کروڑ ڈالر اور فی کس تقریباً 44 ڈالر، 1876ء میں 60 کروڑ ڈالر اور فی کس تقریباً 14.60 ڈالر اور 1886ء میں 40 کروڑ اور فی کس آمدنی تقریباً 6.67 ڈالر تھی۔ یوں 1866ء سے اگلے 20 سال میں بینکوں نے دو تہائی نوٹ گردش سے باہر نکال لیے۔ اس طرح قوت خرید میں 760 فیصد کمی آئی۔ سرمائے میں سے کمی اس لیے آئی کیوں کہ بینکوں نے قرضوں کی وصولی کی لیکن نیا کوئی قرضہ جاری نہ کیا۔

☆1872ء: میں ارنسٹ سیڈکو روتھ شیلڈ کی ملکیت بینک آف انگلینڈ کی طرف سے مشن پر امریکہ بھیجا گیا۔ اسے ایک لاکھ ڈالر کی رقم بھی دی گئی تا کہ وہ کانگریس کے ارکان کو رشوت پیش کر کے قائل کر سکے کہ امریکہ میں بڑی مقدار میں دریافت ہونے والی چاندی کا استعمال متروک قرار دیا جائے کیوں کہ اس چاندی سے روتھ شیلڈ کے منافع میں کافی کمی آ گئی تھی۔

☆1873ء: صاف ظاہر تھا کہ ارنسٹ سیڈ (Ernest Seyd) نے دانشمندی سے سرمایہ استعمال کیا جس کے تحت کانگریس نے "Coirange Act" پاس کرلیا اور امریکہ میں چاندی کے ڈالروں کا استعمال یک لخت روک دیا گیا۔ ایوان میں بل متعارف کرانے والے رکن سیموئیل ہوپر تک نے بھی یہ تسلیم کیا کہ بل کا مسوّدہ ارنسٹ سیڈ نے تیار کیا تھا۔

☆1874ء: ارنسٹ سیڈ نے خود بھی اعتراف کیا اور یہ بیان دیا کہ "میں 73-1872ء کے موسم سرما میں امریکہ گیا تھا۔ مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ اگر ممکن ہو سکے تو چاندی کے استعمال کو ممنوع قرار دینے کا بل منظور کراؤں کیوں کہ یہ ان لوگوں کے مفاد میں تھا جن کے لیے میں کام کر رہا تھا، اور وہ تھے بینک آف انگلینڈ کے گورنرز۔ 1873ء تک صرف سونے کے سکے کرنسی کی صورت میں باقی رہ گئے۔"

☆1876ء: اس ساز باز کے نتیجے میں امریکہ کی ایک تہائی ورک فورس بے روزگار ہو گئی اور شورش بڑھنے لگی۔ ان حالات میں گرین بیک منی یا چاندی کے سکے کے نظام کی واپسی کے مطالبات شروع ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں کانگریس نے "یونائیٹڈ سٹیٹس سلور کمیشن" قائم کیا تا کہ اس مسئلے کی تحقیقات کی جا سکے۔ اس کمیشن کے ارکان نے واضح طور پر سمجھ لیا کہ اس مسئلے کے پیچھے نیشنل بینک ہیں اور انہوں نے جان بوجھ کر منی سپلائی کی کنٹریکشن کی۔ اس کمیشن کی رپورٹ کا اقتباس یہ ہے: "سیاہ دَور کے بحران کی وجہ پیسے کی شرح میں کمی اور گرتی ہوئی قیمتیں ہیں..... پیسے کے بغیر تہذیب کبھی اپنا آغاز نہ کر پاتی، اور پیسے کے بغیر یہ ڈگمگا جائے گی اور بالآخر انجام کو پہنچ جائے گی۔ عیسائی دَور میں رومن سلطنت کی دھاتی کرنسی ایک ارب 80 کروڑ ڈالر تھی لیکن پندرھویں صدی کے اختتام تک یہ سکڑ کر 20 کروڑ ڈالر رہ گئی..... تاریخ میں پیسے کی سپلائی کے سکڑاؤ کی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی....." کمیشن کی اس حکومتی رپورٹ کے باوجود کانگریس نے کوئی ایکشن نہ لیا۔

☆1877ء: پیٹرز برگ سے شکاگو تک فسادات پھوٹ پڑے۔ بینکر سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ اب کیا کیا جائے؟ اور انہیں علم تھا کہ تشدد کے باوجود ان کا کنٹرول برقرار تھا۔ امریکن بینکرز ایسوسی ایشن کے اجلاس میں انہوں نے تمام ممبروں پر زور دیا کہ وہ گرین بیکس کی واپسی روکنے کے

لیے پورا زور لگا دیں۔ ایسوسی ایشن کے سیکریٹری جیمز بیول نے تو ممبر بینکوں کو یہ خط لکھ ڈالا کہ آپ کانگریس اور پریس کو دبا کر رکھیں۔ خط میں اس نے کہا: ''آپ سب کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ آپ مؤقر اخبارات، جرائد بالخصوص زراعت اور مذہب کے شعبے کے پریس کو قابو میں رکھیں اور گرین بیک ایشو اور کاغذی پیسے کی واپسی روکیں۔ ایسے لوگوں کی سرپرستی ترک کر دی جائے جو حکومتی کرنسی جاری کرنے کی مخالفت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بینک نوٹوں کی تیاری کے ایکٹ کی منسوخی کے لیے اور سرمائے کی گردش کی بحالی کے لیے لوگوں کو سرمایہ دستیاب ہوگا جس سے بینکوں کے انفرادی منافع کو سخت نقصان پہنچے گا۔ آپ اپنے اپنے رکن کانگریس سے رابطے کریں اور اسے ہمارے مفادات کے تحفظ پر رضامند کریں تاکہ ہم قانون سازی کا عمل مکمل کر سکیں۔''

☆1878ء: جیمز بیول کے خط کے واضح اثرات مرتب ہوئے کیوں کہ کانگریس پر تبدیلی کے لیے دباؤ میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ پریس نے رائے عامہ کی توجہ سچائی سے ہٹانے کی پوری کوشش کی۔ اس کی ایک مثال 10 جنوری کے نیویارک ٹریبون کے ایڈیشن میں ملتی ہے جس میں بینکروں کی زبان بولی گئی تھی۔ ''ملک کا سرمایہ آخر کار منظم ہو گیا ہے اور ہم دیکھیں گے کہ کیا کانگریس اپنا کردار ادا کرنے کی جرأت کرے گی۔''

میڈیا پر پیشگی کنٹرول زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوا اور 28 فروری کو کانگریس نے ''شرمین لاء'' کی منظوری دے دی جس کے تحت 5 سال کے وقفے کے بعد محدود تعداد میں چاندی کے سکے ڈھالنے کی اجازت مل گئی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہر کوئی پہلے کی طرح چاندی منٹ پر لا کر کسی معاوضے کے بغیر سکوں میں ڈھلوا لے گا۔ سونے کی پشت پناہی بدستور جاری رہی، البتہ نئے قانون سے سرمائے کی گردش میں کچھ اضافہ ہو گیا۔ بینکوں کو یہ احساس ہو گیا کہ معاملات اب بھی ان کے کنٹرول میں تھے، چنانچہ انہوں نے قرضے جاری کرنا شروع کر دیئے اور آخر کار خانہ جنگی کے بعد کا مالیاتی بحران ختم ہو گیا۔

☆1881ء: امریکی عوام نے ری پبلکن امیدوار جیمز گارفیلڈ کو ملک کا بیسواں صدر منتخب کر لیا۔ یہ منی چینجروں کے لیے تشویشناک بات تھی کیوں کہ رکن کانگریس کی حیثیت سے وہ Appropriations Committee کے چیئرمین رہ چکے تھے اور بینکنگ اینڈ کرنسی کمیٹی کے رکن تھے۔

اس طرح منی چینجر آگاہ تھے کہ صدر جیمز گارفیلڈ کو اس تمام سکینڈل کی تمام جزیات کا علم تھا۔ درحقیقت حلف اٹھانے کے بعد صدر نے کہا کہ ''جس بھی ملک میں جو کوئی سرمائے کو کنٹرول کرتا ہے وہی صنعت وتجارت کا مالک ہوتا ہے اور جب آپ محسوس کرتے ہیں کہ تمام سسٹم کو چند افراد کے ذریعے نہایت آسانی سے کنٹرول کیا جاسکتا ہے تو آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ افراطِ زر اور بحران کیسے جنم لیتے ہیں۔'' حیرت انگیز طور پر اس بیان کے چند ہفتوں بعد ہی صدر گارفیلڈ کو 2 جولائی کو قتل کر دیا گیا۔

☆1891ء: اس صدی کے آخری عشرے میں منی چینجروں نے پہلے مصنوعی اقتصادی ترقی کا رجحان پیدا کیا پھر بحران پیدا کر دیا، اس طرح انہیں مقروض شہریوں کے ہزاروں گھر اور فارم کوڑیوں کے بھاؤ خریدنے کا موقع مل گیا۔ وہ آنے والے برسوں میں ایک بار پھر معیشت کو نیچے لانے کے لیے پر تول رہے تھے۔ امریکن بینکرز ایسوسی ایشن کی ایک خوف ناک میمو، جو 20 برس بعد کانگریس کا ریکارڈ بنا، میں بیان کیا گیا تھا: '' یکم ستمبر 1894ء کو ہم کسی بھی صورت میں قرضوں کی تجدید نہیں کریں گے۔ ہم دعوی دائر کریں گے اور رہن رکھی گئی جائیدادیں قبضے میں لے لیں گے۔ ہم جنوبی مسسپی میں واقع دو تہائی فارم اور شمال میں واقع ہزاروں دیگر فارم اپنی مرضی کی قیمت پر خرید لیں گے..... اس طرح کاشت کار انگلینڈ کی طرح لگان دار بن جائیں گے.....''

میمو کے نیچے امریکن بینکرز ایسوسی ایشن 1891ء لکھا ہے اور یہ 29 اپریل 1913ء کے کانگریسی ریکارڈ کا حصہ ہے۔

☆1896ء: صدارتی انتخابی مہم کا بڑا ایشو چاندی کے سکے ڈھالنے کا تھا۔ ریاست نبراسکا سے ڈیموکریٹ 36 سالہ سینیٹر ولیم جینگز برائن (William Jennings Bryan) نے شکاگو میں ڈیموکریٹک نیشنل کنونشن میں ''کانٹوں کے تاج اور طلائی صلیب'' کے عنوان سے دھواں دھار تقریر کرتے ہوئے کہا: 'ہم ان (بینکروں) کے سونے کو معیار بنانے کے سوال کا یہ کہہ کر جواب دیں گے کہ تم مزدور کے ماتھے پر کانٹوں کا تاج رکھنے پر زور نہیں دے سکتے۔ تم لوگ انسانیت کو سونے کی صلیب پر نہیں چڑھا سکتے۔'' یہ قدرتی امر تھا کہ بینکروں نے ری پبلکن امیدوار ولیم مکینلے کی حمایت کی جنہوں نے منتخب ہو کر بدلے میں گولڈ سٹینڈرڈ کی حمایت کی۔ اس کے علاوہ مکینلے کی

مہم کے دوران صنعت کاروں نے اپنے ملازمین کو مطلع کیا کہ اگر ولیم برائن صدر منتخب ہو گیا تو تمام فیکٹریاں اور پلانٹ بند ہو جائیں گے اور تمہارے لیے کوئی روزگار نہیں ہوگا۔ آخر کار مکینلے نے تھوڑے فرق سے برائن کو شکست دے دی۔

☆1898ء: پوپ لیو XIII نے رِبا کے موضوع پر یہ بیان جاری کیا: ''ایک طرف وہ گروہ ہے جس کے ہاتھ میں طاقت ہے کیوں کہ دولت ان کے پاس ہے۔ ان کے شکنجے میں تمام لیبر اور تجارت ہے۔ یہ لوگ اپنے مقصد کے لیے سپلائی کے وسائل کے معاملے میں ساز باز کرتے ہیں اور ان کی کونسل آف سٹیٹ میں طاقتور نمائندگی موجود ہے جب کہ دوسری طرف مستحق اور بے بس افراد کا انبوہ کثیر ہے جو مشکلات کے بوجھ تلے دبا ہے۔ خون چوسنے والا رِبا جس کی چرچ کئی بار مذمت کر چکا ہے اب نئے نام سے ایک بار پھر آمادہ بہ گناہ ہے، کئی لالچی اور خود غرض انسان اس کے تحت کاروبار کر رہے ہیں..... پس دولت مندوں کے اس چھوٹے سے گروہ نے انسانوں کو بیلوں کی طرح جوت کر غلام بنا رکھا ہے۔''

☆1907ء: بیسویں صدر کے اوائل میں منی چینجر امریکہ میں ایک اور سینٹرل بینک قائم کرنے کے لیے متحرک ہو گئے۔ روتھ شیلڈ خاندان کے فرد اور کہن لوئب اینڈ کو کے سربراہ جیکب شف نے نیویارک چیمبر آف کامرس سے خطاب میں کہا یا کہہ لیں کہ دھمکی دی: ''جب تک ہمارے پاس کریڈٹ کے امور پر کنٹرول کا حامل سینٹرل بینک نہیں ہوتا یہ ملک اپنی تاریخ کے بدترین مالیاتی سراسیمگی (Money panic) کے لیے تیار رہے۔'' انہوں نے اس مقصد کے لیے روتھ شیلڈ کے ایجنٹ جے پی مورگن کو انچارج مقرر کیا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ جے پی مورگن کا والد جولیس مورگن امریکہ کا برطانیہ میں مالیاتی ایجنٹ رہ چکا تھا اور جولیس کی موت کے بعد جے پی مورگن انگریز پارٹنر ایڈورڈ گرینول کے ساتھ جا ملا جو بینک آف انگلینڈ کا طویل عرصے تک ڈائریکٹر رہا۔ یہ سال منی چینجروں کے حملے کا سال تھا۔ مورگن اور اس کے شراکت دار نے خفیہ طور پر سٹاک مارکیٹ کریش کر دی۔ انہیں علم تھا کہ ہزاروں چھوٹے بینک ضرورت سے زیادہ پھیلے تھے۔ ان میں کچھ بینکوں کے ریزرو فراڈ کے طریقے سے ایک فیصد سے بھی کم تھے۔ چند روز کے اندر اندر پورے ملک میں بینک ایک عوامی جگہ بن گئے۔ تب پھر مورگن آگے بڑھا اور اعلان کیا

کہ وہ ان ناکام بینکوں کو سپورٹ کرے گا۔ جو بات اس نے بتانے سے گریز کیا، وہ یہ تھا کہ یہ کام وہ اس سرمائے سے کرے گا جو محض کاغذی ہوگا۔ پھر کیا ہوا، سرپرائز، سرپرائز، کانگریس نے اسے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ جے پی مورگن نے ریزرو کے بغیر ذاتی سرمائے سے 20 کروڑ ڈالر کی کرنسی چھاپ دی۔ اور پھر اس سے سامان اور خدمات خریدیں اور ان میں سے کچھ اپنے بینک کی شاخوں کو قرضے کے لیے جاری کرنے کے سلسلے میں ارسال کر دیئے۔ اس کے نتیجے میں عوام کا پیسے پر اعتماد بحال ہو گیا لیکن اس سے بھی اہم بات یہ کہ بینکوں کی طاقت اب پہلے سے بھی کم کچھ بڑے بینکوں تک مرتکز ہو گئی۔

☆1908ء: طول و عرض میں پھیلی مالیاتی سراسیمگی ختم ہو گئی۔ جے پی مورگن کو پرنسٹن یونیورسٹی کے صدر ووڈرو ولسن (Woodrow Wilson) نے ہیرو قرار دیا اور احمقانہ یا پھر گستاخانہ انداز میں کہا: ''اگر ہم جے پی مورگن کے جذبے کے حامل 65 افراد پر مشتمل کمیٹی قائم کرتے تو یہ مصیبت پہلے ہی ٹالی جا سکتی تھی۔'' صدر تھیوڈور روز ویلٹ نے بھی اس قانون پر دستخط کر دیئے جس سے مالیاتی بحران ختم ہونے پر ''نیشنل مانیٹری کمیشن'' بنایا گیا تھا۔ اس کمیشن کے ذمے بینکنگ کے مسائل کا جائزہ لے کر کانگریس کے لیے سفارشات تیار کرنا تھیں۔ اس کمیشن میں جے پی مورگن کے دوست اور ہم نوا شامل تھے۔

کمیشن کے چیئرمین سینیٹر نیلسن آلڈرچ تھے اور وہ نیو پورٹ رہوڈز آئی لینڈ کی نمائندگی کرتے تھے جو امیر ترین بینکنگ خاندانوں کا گڑھ تھا۔ اس کی بیٹی کی شادی ڈی راک فیلر جونیئر سے ہوئی اور اس میں سے اس کے 5 بیٹے ہوئے (ان میں سے ایک نیلسن بعد ازاں 1974ء میں امریکہ کا نائب صدر بنا جب کہ دوسرا بیٹا ڈیوڈ کونسل آن فارن ریلیشنز کا سربراہ بن گیا)۔ مانیٹری کمیشن کے قیام کے بعد سینیٹر الڈرچ دو سال کے لیے یورپ کے فیکٹ فائنڈنگ مشن پر روانہ ہو گیا جہاں اس نے انگلینڈ، فرانس اور جرمنی کے نجی سینٹرل بینکوں کے حکام سے طویل نشستیں کیں۔ یہ گویا روتھ شیلڈ کی روتھ شیلڈ اور روتھ شیلڈ سے ملاقاتیں تھیں۔ ان اداروں پر اٹھنے والے 3 لاکھ ڈالر کے اخراجات امریکی ٹیکس دہندگان کی جیب سے ادا کیے گئے۔ جی ہاں! اُس دَور میں 3 لاکھ ڈالر، یہاں رقم لکھنے میں کوئی غلطی نہیں کی گئی۔

☆1910ء: سینیٹر آلڈرچ حقائق جاننے کے اپنے دورہ یورپ سے 2 نومبر کو امریکہ واپس پہنچا۔ اس کے فوراً بعد امریکہ کے کچھ امیر ترین اور بااثر افراد نے ان سے ان کی ذاتی ریل کار میں ملاقات کی جس کے بعد انہوں نے جارجیا کے ساحل کے قریب جزیرہ جیکل (Jekyll Island) کا سفر کیا۔ اس وفد میں روتھ شیلڈ کے ادارے کہن لوئب اینڈ کو (Kuhn Loeb & Co.) سے سالانہ 5 لاکھ ڈالر تنخواہ وصول کرنے والا پاول وار برگ بھی شامل تھا۔ اسے یہ معاوضہ امریکہ میں پرائیویٹ سینٹرل بینک کے قیام کی لابنگ کے لیے دیا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ روتھ شیلڈ خاندان کا جیکب شف بھی موجود تھا جس نے انگلینڈ سے امریکہ آمد کے فوراً بعد کہن لوئب اینڈ کمپنی خریدی تھی۔ روتھ شیلڈ، وار برگ اور شف خاندان رشتہ داری کے باعث منسلک تھے اور اس لحاظ سے ایک ہی خاندان تھے۔ اس ملاقات کو اتنا خفیہ رکھا گیا کہ شرکا سے کہا گیا کہ وہ ملازمین سے اپنی شناخت چھپانے کے لیے اپنے ناموں کا صرف پہلا حصہ استعمال کریں۔ کئی سال بعد ملاقات میں شریک ایک شخص فرینک وینڈرلپ، جو نیشنل سٹی بینک کے صدر اور راک فیلر فیملی کے نمائندے تھے، نے 9 فروری 1935ء کے اخبار سیچر ڈے ایوننگ پوسٹ کو جزیرہ جیکل کی ملاقات کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ ''میں بھی کسی سازشی کی طرح خود کو خفیہ رکھ رہا تھا..... ہم جانتے تھے کہ اس حوالے سے افشا کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس طرح ہمارا تمام وقت اور کوشش رائیگاں جاتی۔ اگر یہ بات نکل جاتی کہ ہمارے اس مخصوص گروپ نے مل بیٹھ کر کوئی بینکنگ بل تیار کر لیا تھا تو اس بل کی کانگریس سے منظوری کے امکانات ختم ہو جاتے۔''

ملاقات میں صرف سینٹرل بینک کے قیام کا ایجنڈا شامل نہیں تھا۔ ان بینکروں کو ایک اور پریشانی یہ لاحق تھی کہ امریکہ کے ان بڑے قومی بینکوں کے مارکیٹ حصص تیزی سے سکڑ رہے تھے۔ نئی صدی کے پہلے عشرے میں امریکہ میں بینکوں کی تعداد دُگنی ہو کر 20 ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ 1913ء تک ان میں سے صرف 29 فیصد قومی بینک تھے اور ان کے پاس مجموعی ڈیپازٹس کا 57 فیصد تھا۔ جیسا کہ راک فیلر نے یہ کہا کہ "Competition is sin!"۔ کچھ عرصے بعد سینیٹر آلڈرچ نے اپنے ایک آرٹیکل میں اعتراف کیا کہ ''اس بل کی منظوری سے پہلے نیویارک کے بینک صرف نیویارک کے ریزروز پر حاوی تھے لیکن اب ہم پورے ملک کے ریزروز پر غلبے کے

قابل ہو چکے ہیں۔"

اس طرح ان سازشیوں کے عزائم نئے بینکوں کو اپنے کنٹرول میں لانا تھے۔ دوسرے یہ کہ قومی معیشت اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ کارپوریشنوں نے اپنے ہی پھیلتے منافع سے قرضوں کا اجرا شروع کر دیا اور اب انہیں بینکوں کا مرہون منت ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ صدی کی پہلی دہائی میں کارپوریشنوں نے 70 فیصد فنڈنگ اپنے منافع سے کی تھی۔ امریکی انڈسٹری منی چینجروں کے شکنجے سے نکلتی جا رہی تھی لیکن منی چینجر ہتھیار پھینکنے پر تیار نہیں تھے۔ نئے بینک کے نام پر بھی کافی بحث و مباحثہ کیا گیا اور یہ بحث جزیرہ جیکل کے کلب ہوٹل میں ہوئی۔ آلڈرچ کا خیال تھا کہ نئے نام میں لفظ بینک شامل ہی نہیں ہونا چاہیے۔ وار برگ چاہتا تھا کہ قانون سازی کو "نیشنل ریزروز بل" یا "فیڈرل ریزروز" کے نام سے پکارا جائے۔ اس کا مقصد صرف یہ تاثر نہیں دینا تھا کہ بینکوں کو کام سے روکا جا سکے بلکہ اس کی اجارہ داری کے چارٹر کو بھی مخفی رکھا جائے۔ تاہم خود پسند سینیٹر آلڈرچ چاہتا تھا کہ اسے "آلڈرچ بل" کا نام دیا جائے۔ چنانچہ جیکل آئی لینڈ میں 9 روز تک سر جوڑے رکھنے کے بعد یہ گروپ منتشر ہو گیا۔ سازشی ٹولے نے فوری طور پر بڑی یونیورسٹیوں کے ممتاز پروفیسروں کو ساتھ ملانے کے لیے 5 لاکھ ڈالر سے ایک ایجوکیشنل فنڈ قائم کر دیا۔ نیا بینک پرانے بینک آف یونائیٹڈ سٹیٹس سے کافی حد تک ملتا جلتا ہونا تھا۔ اسے امریکہ کی کرنسی اور کسی ضمانت کے بغیر نوٹ چھاپنے پر اجارہ داری حاصل ہوتی۔ عوام کو یہ تاثر دینے کے لیے کہ اس بینک کو حکومتی نگرانی کے تحت چلایا جائے گا، انہوں نے بورڈ آف گورنرز کی نامزدگی کا اختیار سینٹ کی منظوری سے صدر امریکہ کو دے دیا۔ انہیں اس حوالے سے کوئی فکر نہیں تھی کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ وہ اپنے پیسے سے سیاست دانوں پر اثر انداز ہو سکتے تھے، اس طرح اپنی مرضی کے نام بورڈ آف گورنرز کے لیے منظور کرا لیے جاتے۔

☆1912ء: آلڈرچ بل کانگریس میں بحث کے لیے پیش کر دیا گیا۔ اسے فوراً بینکوں کو فائدہ پہنچانے کے بل کے طور پر بھانپ لیا گیا یا ایک ایسی چیز جسے اُس وقت "دی منی ٹرسٹ" کہا جاتا تھا۔ بحث کے دوران ری پبلکن رکن چارلس لنڈبرگ نے کہا کہ "آلڈرچ پلان دراصل وال سٹریٹ کا پلان ہے۔ اس کا مطلب ہے، ایک اور مالیاتی بحران اور لوگوں کو خوف زدہ کرنا۔

آلڈرچ کو حکومت عوام کی نمائندگی کے لیے تنخواہ دیتی ہے لیکن انہوں نے اس کے برعکس ٹرسٹ پلان پیش کر دیا ہے۔'' جس وقت بحث جاری تھی، بینکروں نے محسوس کیا کہ ان کے پاس کافی حمایت موجود نہیں۔ چنانچہ ری پبلکن رہنماؤں نے کبھی بل پر ووٹنگ کی نوبت نہیں آنے دی۔ اس کے بعد بینکروں نے اپنی توجہ ڈیموکریٹس پر مبذول کر لی اور ڈیموکریٹک پارٹی کے صدارتی امیدوار ووڈرو ولسن پر بھاری سرمایہ کاری شروع کر دی گئی۔ وال سٹریٹ کے بینکر برنارڈ بروچ کو ولسن پراجیکٹ کا انچارج بنایا گیا اور جیسا کہ مؤرخ جیمز پرلاف بتاتا ہے: ''بروچ 1912ء میں ولسن کو نیویارک میں ڈیموکریٹک پارٹی کے ہیڈکوارٹر لایا تھا۔ ڈیموکریٹک قیادت نے عوام سے وعدہ کیا کہ اگر ان کی پارٹی برسر اقتدار آ گئی تو جب تک وہ حکومت میں رہے گی ملک میں کوئی سینٹرل بینک نہیں ہوگا لیکن 13 ماہ بعد ہی وعدہ توڑ دیا گیا اور ولسن انتظامیہ نے کرنل ہاؤس کے پیچھے واقع وال سٹریٹ کی سراپا برائی شخصیات کی سرپرستی میں آزاد ملک میں حشرات خور شاہی ادارہ ''کنگز بینک'' کھولنے کی اجازت دے دی تا کہ امریکی عوام کو اوپر سے نیچے تک اور پالنے سے قبر تک جکڑا جا سکے۔''

5 نومبر کو ووڈرو ولسن صدر منتخب ہو گئے اور جے پی مورگن، پاول وار برگ اور برنارڈ بروچ نے فیڈرل ریزروز سسٹم کے نام سے ایک نیا پلان تیار کیا۔ ڈیموکریٹک پارٹی نے ''گلاس اوون بل'' (Glass- Owen Bill) کے نام سے بل کی تعریف کی کیوں کہ یہ آلڈرچ بل سے مختلف لیکن درحقیقت اس کی ہی نقل تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ڈیموکریٹس ان دونوں بلوں کی یکسانیت کا اتنی شدت سے انکار کر رہے تھے کہ دونوں بلوں کے خالق پاول وار برگ کو کانگریس میں اپنے تنخواہ دار ارکان کو بتانا پڑا کہ دونوں بل ایک ہی چیز تھے اور انہیں پاس کرایا جائے۔ وار برگ نے کہا کہ ''ہمیں خول کو متاثر کرنے والے بیرونی اختلافات کو نظر انداز کر کے دونوں سسٹم کے گودے پر توجہ دینی چاہیے۔ دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔'' البتہ وار برگ کا یہ اعتراف عوامی سطح پر لانے سے گریز کیا گیا۔ اس کی بجائے سینیٹر آلڈرچ اور راک فیلر گروپ کے نیشنل سٹی بینک آف نیویارک کے صدر فرینک وینڈرلپ (Frank Vanderlip) عوامی سطح پر یہ تاثر دینے کے لیے یہ مختلف بل ہے، اس کی مصنوعی مخالفت کرتے رہے۔ برسوں بعد وینڈرلپ نے ایک اخباری

انٹرویو میں کہا، ''اگرچہ آلڈرچ فیڈرل ریزرو پلان لفظ آلڈرچ کی وجہ سے ایوان میں منظور نہ ہو سکا لیکن بالآخر اس پلان کے بیشتر حصوں کی دوسری شکل میں منظوری دے دی گئی۔''

☆1913ء: کانگریس گلاس اوون بل کی منظوری دینے کے قریب تھی کہ اس دوران ریاست اوہائیو کے اٹارنی الفریڈ کروزیئر کو بیان حلفی کے لیے طلب کیا گیا۔ الفریڈ نے گلاس اوون اور آلڈرچ بل میں یکسانیت نوٹ کرتے ہوئے بیان کیا: ''یہ..... بل وہ سب کچھ کرنے کی اجازت دے دے گا جس کی وال سٹریٹ اور بڑے بینک پچھلے 25 سال سے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ہے کرنسی پر سرکاری کنٹرول کی بجائے پرائیویٹ کنٹرول۔ گلاس اوون بل کے تحت وہی کچھ ہوگا جو آلڈرچ بل کے مطابق ہونا تھا۔ دونوں بلوں میں حکومت اور عوام کو سرکاری سرمائے پر کنٹرول سے دُور رکھا گیا ہے۔ بینکوں کو عوام سے رقم بٹورنے یا لوٹنے کا خطرناک اختیار دیا گیا ہے۔'' اس طرح اس بل پر بحث بینکوں کے حق میں نہیں جا رہی تھی کیوں کہ کئی سینیٹر کہہ رہے تھے کہ بل کرپٹ اور فریب کن تھا۔ البتہ بل 22 دسمبر کو سینٹ سے منظوری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایسا کیوں کر ممکن ہو سکا؟ اس لیے کہ اکثر سینیٹر کرسمس کی چھٹیاں منانے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ اس کے علاوہ یہ کہ ان سینیٹروں کو قیادت کی طرف سے یقین دلایا گیا کہ کرسمس کی چھٹیوں کے دوران اس بل پر مزید کوئی کارروائی ایوان میں نہیں ہوگی۔

ایوان نمائندگان کے رکن چارلس اے لنڈربرگ سینئر نے کہا: ''یہ بل زمین پر بہت بڑے اعتماد کے قیام کا باعث بنا ہے۔ جب صدر بل پر دستخط کر دیں گے تو مالیاتی طاقت کی غیر مرئی حکومت کو قانونی شکل مل جائے گی۔ لوگوں کو شاید اس کا فوری اندازہ نہ ہو سکے لیکن روزِ محشر اب چند برس دُوری کے فاصلے پر ہی کھڑا ہے۔ بینکنگ اور کرنسی کے اس بل کے ذریعے قانون سازی کے صدیوں کے بدترین جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔''

دلچسپ امر یہ ہے کہ محض چند ہفتے پہلے ہی اکتوبر میں کانگریس نے ایک بل پاس کیا تھا جس کے تحت لوگوں پر یہ ڈائریکٹ انکم ٹیکس عائد کیا گیا تھا۔ یہ بل سینیٹر آلڈرچ کے ذریعے پیش کیا گیا اور جسے ہم اب سولہویں ترمیم کے نام سے جانتے ہیں۔ انکم ٹیکس قانون، فیڈرل ریزرو کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل تھا کیوں کہ یہ ایک ایسا نظام تھا جس نے لامحدود Federal debt چلانا تھا

۔ چنانچہ اس قرض پر ادائیگی کی گارنٹی کا واحد راستہ لوگوں پر ڈائریکٹ ٹیکس لگانا تھا، جیسا کہ بینک آف انگلینڈ نے کیا تھا۔ حقیقتاً سولہویں ترمیم کی کبھی توثیق نہیں کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ کئی امریکی شہری انکم ٹیکس نہیں دیتے لیکن امریکی حکومت ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ بہرحال فیڈرل ریزرو کے قصے کی طرف واپس آتے ہیں۔ اگر آپ کو شبہ ہے کہ فیڈرل ریزرو ایک پرائیویٹ کمپنی ہے تو حکومتی دستاویزات ملاحظہ کریں اس میں آپ کو یہ نظر نہیں آئے گی۔ حالیہ عرصے میں سامنے آنے والی بعض دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیڈرل ریزرو کا اصل مالک کون ہے۔ وہ یہ بینک ہیں: روتھ شیلڈ بینک آف لندن، وار برگ بینک آف ہیمبرگ، روتھ شیلڈ بینک آف برلن، لیہمن برادرز آف نیویارک، لازرڈ برادرز آف پیرس، کہن لوئب بینک آف نیویارک، اسرائیل موسس سیف بینک آف اٹلی، گولڈ مین ساشے آف نیویارک، وار برگ بینک آف ایمسٹرڈیم، چیز مین ہٹن بینک آف نیویارک۔ اس کے باوجود کچھ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ فیڈرل ریزرو باقاعدہ حکومتی ادارہ ہے حالاں کہ صدر امریکہ ہر چار سال بعد فیڈرل ریزرو بورڈ آف گورنر کے 7 میں سے صرف 2 ارکان کی نامزدگی کرتا ہے اور ہر رکن کی میعاد 14 سال ہوتی ہے جو خود صدر کی اپنی میعاد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اگرچہ سینیٹ ان تقرریوں کی توثیق کرتی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ یہ محض ایک تصور ہے کیوں کہ سینیٹ کے یہی لوگ بینکروں کے چنیدہ ہوتے ہیں اور ان کی انتخابی مہم پر سرمایہ بھی وہی لگاتے ہیں۔ اس طرح ان کی وفاداری عوام سے نہیں بلکہ ان بینکروں سے ہوتی ہے۔

آیئے اب مختصراً یہ واضح کرتے ہیں کہ فیڈرل ریزرو کیسے Money out of nothing تخلیق کرتا ہے۔ یہ 4 مرحلوں کا عمل ہے۔ 1: فیڈرل اوپن مارکیٹ کمیٹی، یونائیٹڈ سٹیٹس بانڈز کی خریداری کی منظوری دیتی ہے۔ 2: یہ بانڈز ریزرو خریدتا ہے۔ 3: فیڈرل ریزرو الیکٹرانک کریڈٹس کے ذریعے Seller بینکوں کو ادائیگی کرتی ہے۔ 4: بینک ان ڈیپازٹس کو ریزرو کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ ان ڈیپازٹس کی مالیت سے 10 گنا سے زائد کے قرضے جاری کر سکتے ہیں اور وہ بھی بلند شرح سود پر۔ ☆ بانڈز محض سرکاری IOU کو ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے۔ لوگ محفوظ ریٹ آف انٹرسٹ کے نقطہ نظر سے بانڈ خرید لیتے ہیں۔ بانڈز کی میعاد ختم ہونے پر حکومت بمعہ سود

واپس ادائیگی کر دیتی ہے اور بانڈز کو تلف کر دیا جاتا ہے۔

ایک مثال سے اب یہ جائزہ لیتے ہیں کہ یہ طریقہ فیڈرل ریزرو کی طرف سے 10 لاکھ ڈالر مالیت کے بانڈز کی خریداری میں کیسے اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بینک کھاتوں میں یہی رقم 10 کروڑ ڈالر میں بدل جاتی ہے۔ فیڈرل ریزرو در حقیقت ان نئے 10 کروڑ ڈالر کا صرف 10 فیصد حاصل کرتی ہے جب کہ باقی 90 فیصد مال بینک بناتے ہیں۔ زیر گردش سرمائے میں کمی لانے کے لیے اس عمل کو الٹ یعنی ریورس کر دیا جاتا ہے۔ فیڈرل ریزرو یہ بانڈز عوام کو فروخت کر دیتا ہے اور سرمایہ خریدار کے مقامی بینک کے ذریعے گردش کرتا ہے۔ اس فروخت کے مقابلے میں قرضے ہر صورت میں 10 گنا کم ہونے چاہئیں چنانچہ فیڈرل ریزرو 10 لاکھ ڈالر کے بانڈ جاری کر دیتا ہے۔ اس طرح معیشت میں ایک کروڑ ڈالر کم پیسہ داخل ہوتا ہے۔ اس عمل سے ان بینکوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ جن کے نمائندوں نے جزیرہ جیکل میں ملاقات کی تھی۔ 1: چوں کہ فیڈرل ریزرو پیسے کا واحد پروڈیوسر ہوتا ہے، اس لیے مستقبل کی بینک اصلاحات کا خدشہ باقی نہیں رہتا۔ 2: اس کے بدلے میں صدر لنکن کے گرین چیکس کی طرز پر خسارے سے پاک حکومتی مالیاتی نظام کا راستہ روکنا ہوتا ہے۔ 3: اس سے بینکوں کو ہمارے پیسے پر فراڈ پر مبنی طریقے سے 90 فیصد سرمایہ پیدا کرنے کا اختیار مل جاتا ہے اور وہ 90 فیصد رقم شرح سود پر بطور قرضہ جاری کر دیتے ہیں۔ 4: ہمارا مجموعی قومی پیسہ چند ہاتھوں سے کنٹرول ہونے لگتا ہے اور وہ اس سے منافع کماتے ہیں۔ 5: اس سے انتہائی درجے کی خود مختاری کا حامل سینٹرل بینک بنتا ہے جسے موثر سیاسی کنٹرول سے چلایا جاتا ہے۔

☆1914ء: جنگ عظیم اوّل کا آغاز ہوتا ہے۔ اس جنگ میں جرمنی کے روتھ شیلڈز جرمنوں کو، برطانیہ کے روتھ شیلڈز انگریزوں کو اور فرانس کے روتھ شیلڈز فرانسیسیوں کو قرضے جاری کرتے ہیں۔ فیڈرل ریزرو بل کی منظوری کے ایک سال بعد رکن ایوان نمائندگان چارلس اے لنڈربرگ نے واضح کیا کہ کس طرح فیڈرل ریزرو کی تخلیق ہوئی تھی۔ بزنس سائیکل کیسے بنایا گیا اور انہوں نے اسے اپنے فائدے کے لیے کیسے استعمال کیا۔ اس نے بتایا کہ ''قیمتیں زیادہ کرنے کے لیے فیڈرل ریزرو صرف یہ طریقہ اختیار کرے گا کہ ری ڈسکاؤنٹ ریٹ کم کر دے گا.....

کریڈٹ میں توسیع کے ذریعے سٹاک مارکیٹ کو اوپر لے جایا جائے گا..... اور جب کاروباری طبقہ ان حالات میں ایڈجسٹ ہو جائے گا تو انٹرسٹ ریٹ میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ گویا مارکیٹ میں اتار چڑھاؤ کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔'' یہ کسی بھی حکومت کی طرف سے مراعات یافتہ طبقے کے ہاتھوں میں دیا جانے والا خطرناک ترین اختیار ہے۔ یہ خالصتاً پرائیویٹ سسٹم ہے جس کا واحد مقصد عوامی پیسہ استعمال کر کے ذاتی منافع کمانا ہے۔ انہیں پیشگی علم ہوتا ہے کہ اپنے فائدے کے لیے سرا سیمگی کب پھیلانا اور کس وقت روکنا ہے۔ مالیاتی کنٹرول کے باعث انہیں افراطِ زر اور نقد زر دونوں سے فائدہ پہنچتا ہے۔

☆ 1915ء: جے پی مورگن جنگ عظیم اوّل میں برسرِ پیکار برطانیہ اور فرانس دونوں کے جنگی ساز و سامان کے بورڈ کا ایجنٹ بن گیا۔ یہ دونوں ملک کرۂ ارض پر اسلحے کے سب سے بڑے خریدار بن گئے تھے اور یومیہ ایک کروڑ ڈالر اس مد میں خرچ کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ صدر ووڈرو ولسن نے بینکر برنارڈ برووچ کو وار انڈسٹریز بورڈ کا سربراہ مقرر کر دیا۔ مؤرخ جیمز پرلاف کے مطابق برنارڈ برووچ اور راک فیلر گروپ دونوں نے مل کر جنگ عظیم اوّل کے دوران 20 کروڑ ڈالر کا منافع کمایا۔ کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیسے کی مؤثر سپلائی کی پشت پر سونے یعنی گولڈ یا اس جیسی کوئی چیز ہونی چاہیے۔ چلیں یہ بتائیں سونے پر کس کا کنٹرول ہوگا؟ جیسا کہ اس سال ری پبلکن چارلس اے لنڈربرگ نے کہا کہ ''فیڈرل ریزرو بینکوں نے پہلے ہی سونا اور سونے کے سرٹیفکیٹ سائیڈ پر لگا دیئے ہیں۔''

☆1916ء: صدر ولسن نے امریکہ کو پہنچنے والے نقصان کو محسوس کرنا شروع کر دیا جو فیڈرل ریزرو نے امریکی عوام کو پہنچایا۔ انہوں نے کہا کہ ''ہم مہذب دنیا میں ایک بدترین اور مکمل کنٹرولڈ حکومت بن چکے ہیں۔ یہ حکومت اب آزادانہ رائے رکھتی ہے نہ ایسی حکومت ہے جہاں اکثریت کے ووٹ کا سکہ چلتا ہے بلکہ یہاں چھوٹے سے بااثر افراد کا غلبہ ہے۔ امریکہ کے تجارت اور صنعت کے شعبے کے کئی بڑے لوگ کسی چیز سے خوف زدہ ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ ایسی کوئی ہوشیار، منظم، بااثر اور غالب قوت موجود ہے کہ وہ اس کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت کر پاتے ہیں نہ مذمت کر پاتے ہیں۔''

☆1917ء: منی چینجروں نے روس کے بادشاہوں (زار) کو وہاں سینٹرل بینک کے قیام کی اجازت نہ دینے اور خانہ جنگی کے دوران صدر لنکن کی حمایت پر کبھی معاف نہ کیا۔ لہٰذا روتھ شیلڈ فیملی کے جیکب شف نے اپنے ادارے کہن، لوئب اینڈ کو کے ذریعے روسی انقلاب پر 2 کروڑ ڈالر کی سرمایہ کاری کی۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ کمیونزم دراصل کیپٹل ازم کی ضد ہے۔ تو پھر ان سرمایہ داروں (Capitalists) نے سوشلزم کی حمایت کیوں کی؟ محقق گیری ایلین نے اس کی یوں وضاحت کی ہے: ''اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ سوشلزم دولت کی شراکت (Share the wealth) کا پروگرام نہیں بلکہ درحقیقت یہ دولت کے کنٹرول اور ارتکاز کا نام ہے تو پھر انتہائی دولت مند افراد کی طرف سے اس نظریے کے فروغ کی حمایت انوکھی بات نہیں بلکہ یہ نظریہ طاقت کے بھوکے افراد کے لیے منطقی طور پر ایک مؤثر ہتھیار ہے۔ کمیونزم یا یوں کہہ لیں کہ سوشلزم محروم طبقے کی تحریک نہیں بلکہ اقتصادی اشرافیہ کی تحریک ہے۔''

☆1919ء: جنگ عظیم اوّل کے اختتام کے بعد جنوری میں پیرس امن کانفرنس منعقد ہوئی۔ بینکوں نے دنیا بھر کی حکومتوں کو اپنے ایجنڈے میں سرفہرست رکھا۔ پاول وار برگ اور برنارڈ بروچ نے صدر ولسن کی معیت میں کانفرنس میں شرکت کی۔ بینکوں کے لیے یہ امر مایوس کن تھا کہ دنیا ابھی سرحدیں ختم کر کے عالمی حکومت کی سوچ پر عمل پیرا ہونے کو تیار نہیں تھی۔ اسی طرح ان کے پلان کا یہ حصہ ناکام ہو گیا۔ عالمی حکومت کے منصوبے کو ''لیگ آف نیشنز'' کا نام دیا گیا اور اگرچہ کئی حکومتوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا لیکن امریکی کانگریس نے اس کی حمایت نہیں کی اور یوں امریکی خزانے سے پیسے کی معاونت نہ ملنے پر بینکر ناکام ہو گئے اور لیگ آف نیشنز اپنی موت آپ مر گئی۔

☆1920ء: وارن جی ہارڈنگ امریکہ کے صدر منتخب ہو گئے اور 1921ء میں ووڈرو ولسن کی جگہ اقتدار سنبھال لیا۔ یہ اس دَور کا آغاز تھا جسے آج ہم ''دھاڑتے عشرے'' (Roaring Twenties) کہتے ہیں۔ اس حقیقت کے برعکس کہ جنگ سے امریکی خسارہ خانہ جنگی کے زمانے کے مقابلے میں 10 گنا زیادہ ہو گیا تھا، امریکی معیشت تیزی سے ترقی کرنے لگی۔ اس کے علاوہ بڑی مقدار میں سونا امریکہ میں لایا گیا اور یہ سلسلہ پورے عشرے میں جاری رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی

کہ صدر ہارڈنگ نے داخلی ٹیکسوں کی شرح کم کردی تھی جب کہ درآمدی اشیاء پر ٹیکس انتہائی زیادہ کردیئے تھے۔

☆1921ء: بجلی کے موجد تھامس ایڈیسن نے نیویارک ٹائمز میں شائع ہونے والے اپنے 6 دسمبر کے آرٹیکل میں لکھا کہ ''اگر ہمارا ملک ڈالر بانڈ جاری کرسکتا ہے تو یہ ڈالر بل بھی جاری کرسکتا ہے۔ وہ عناصر جو بانڈ کو اچھی شکل دیتے ہیں، وہی بل کو بھی اچھا بنا سکتے ہیں..... یہ بات کہنا فضول ہوگا کہ ہمارا ملک 3 کروڑ ڈالر کے بانڈز تو جاری کرسکتا ہے لیکن اتنی مالیت کی کرنسی جاری نہیں کرسکتا۔ حالاں کہ دونوں ادائیگی کے وعدے ہی ہیں لیکن ایک وعدہ سود خوروں کو موٹا کرتا ہے جب کہ دوسرا وعدہ لوگوں کی مدد کرتا ہے۔''

☆1922ء: صدر تھیوڈور روزویلٹ، جن کا 1919ء میں انتقال ہوا تھا، کے حوالے سے 27 مارچ کے نیویارک ٹائمز میں یہ بیان شائع ہوا تھا: ''یہ بین الاقوامی بینکر اور راک فیلر سٹینڈرڈ آئل کے مفادات اخبارات اور ان کے کالموں کی اکثریت کو کنٹرول کرتے ہیں تاکہ مطیع افراد کو اپنے کلب میں شامل کیا جاسکے یا اس کرپٹ گروہ کی بات ماننے سے انکار کرنے والوں کو سرکاری عہدوں سے الگ کیا جاسکے۔ یہی لوگ غیر مرئی حکومت ہیں۔'' نیویارک ٹائمز نے یہ بیان اس لیے شائع کیا کیوں کہ ایک روز قبل 26 مارچ کو نیویارک کے میئر جان ہائلن نے یہ بیان دیا تھا کہ ''روزویلٹ کی وارننگ آج بھی بروقت ہے کیوں کہ ہمارے ملک کے لیے اصل لعنت یہی غیر مرئی حکومت ہے جس نے اپنے پیر کسی آکٹوپس کی طرح ہمارے شہروں، ریاست اور ملک کے اوپر پھیلا رکھے ہیں۔ اس آکٹوپس نے اپنے لمبے اور طاقتور پنجے (Tentacles) ہمارے ایگزیکٹو افسروں، ہمارے قانون ساز اداروں، ہمارے سکولوں، ہماری عدالتوں، ہمارے اخبارات اور عوام کا تحفظ کرنے والی ہر ایجنسی پر گاڑ رکھے ہیں۔ مجھے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر یہ کہنے دیجئے کہ ان پنجوں کے سرے یعنی ہیڈ پر راک فیلر سٹینڈرڈ آئل کمپنی کے مفادات اور طاقتور بینکوں کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے، جسے ہم عمومی طور پر بین الاقوامی بینکروں کے نام سے جانتے ہیں۔ خودغرض بینکروں کا یہ گروہ عملاً امریکی حکومت کے معاملات اپنے خودغرض مقاصد کے لیے چلاتا ہے۔ یہ عملی طور پر دونوں پارٹیوں کو کنٹرول کرتا ہے، ان کی حکمت عملیاں مرتب کرتا ہے، پارٹی لیڈروں کی سرگرمیاں

تیار کرتا ہے، بڑی پرائیویٹ کمپنیوں کے سرکردہ افراد کو استعمال کرتا ہے اور اہم عہدوں پر تقرری کے لیے سیاسی قیادت کو استعمال کرتا ہے۔ صرف ایسے ہی امیدواران کے کرپٹ بزنس کا تحفظ کرتے ہیں..... یہ انٹرنیشنل بینکر اور راک فیلر سٹینڈرڈ آئل کے مفادات ملک کے اخبارات وجرائد کی اکثریت کو بھی کنٹرول کرتے ہیں۔"

☆1923ء: 2 اگست کو صدر وارن ہارڈنگ ٹرین کے سفر کے دوران پراسرار طور پر ہلاک ہو گئے۔ وجہ زہر خورانی یا سٹروک بتائی گئی، تاہم کوئی پوسٹ مارٹم نہ کرایا گیا۔ ان کی جگہ پر نائب صدر کیلوین کولج صدر بن گئے۔ انہوں نے بھی صدر ہارڈنگ کی ٹیکس کٹوتیوں اور ٹیرف بڑھانے کی پالیسیوں کو جاری رکھا۔ یہ پالیسی اتنی کامیاب رہی کہ معیشت بدستور فروغ پا رہی تھی اور جنگ عظیم اوّل کے دوران سامنے آنے والا خسارہ 38 فیصد کمی کے ساتھ 16 ارب ڈالر پر آ گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب فیڈرل ریزرو نے ملک میں پیسے کا سیلاب بہا دیا اور سپلائی میں 62 فیصد اضافہ کر دیا۔ رکن کانگریس چارلس لنڈربرگ نے کہا کہ "مالیاتی نظام، فیڈرل ریزرو بورڈ کے کنٹرول میں چلا گیا ہے جو خالصتاً ایک منافع خور گروپ کی طرح مالیاتی اتھارٹی استعمال کرتا ہے۔ یہ سسٹم بالکل پرائیویٹ ہے جو ہر ممکن طریقے سے منافع کمانے کے نقطۂ نظر سے کام کرتا ہے لیکن اس کے لیے سرمایہ دوسرے لوگوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔"

☆1924ء: صدر ولسن نے اپنے انتقال سے کچھ ہی عرصے قبل یہ بیان جاری کیا، جس کا اشارہ فیڈرل ریزرو کی حمایت کی طرف تھا، انہوں نے کہا کہ "میں نے بے رحمانہ طریقے سے اپنے ملک کو روند ڈالا ہے۔"

☆1927ء: جولائی میں یورپ میں بینک آف انگلینڈ کے گورنر مونٹیگو نارمن، فیڈرل ریزرو کے بنجمن سٹرانگ اور رچز بینک (Richs Bank) کے ڈائریکٹر ہلمر ساشے کی ایک کانفرنس کے دوران ملاقات ہوئی۔ اس کانفرنس کی بابت کوئی تفصیل عوامی سطح پر جاری نہیں کی گئی لیکن اس میں کئی اہم امور پر تبادلہ خیال کیا گیا تھا۔ مونٹیگو نارمن، امریکہ سے وہ سونا واپس لانا چاہتا تھا جس سے برطانیہ جنگ عظیم اوّل میں ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور بینک آف انگلینڈ کو سابق پوزیشن پر بحال کرنا چاہتا تھا۔ ری پبلکن رکن کانگریس لوئی ٹی میک فیڈن جو 1920ء سے 1931ء تک ایوان کی بینکنگ

اینڈ کرنسی کمیٹی کے چیئرمین رہے، نے بینک آف انگلینڈ کے پلان پر 1931ء کے بدترین ڈیپریشن کے عین درمیان میں یہ کہا کہ ''یہ بات قطعی متنازع نہیں کہ یورپ کے سٹیٹس مین اور مالیاتی سربراہ ہر صورت میں امریکہ سے سونے کے وہ ذخائر واپس چاہتے ہیں، جن سے وہ پہلی جنگ عظیم میں محروم ہو گئے تھے۔''

☆1929ء: اپریل میں پاول وار برگ نے اپنے دوستوں کو ایک خفیہ وارننگ بھیجی کہ اسی سال کے آخر تک امریکہ میں ملک گیر مالیاتی بحران کی تیاری کر لی گئی ہے۔ یہ بات اُس دَور کے وال سٹریٹ کے برز جمہروں کی خودنوشتوں کی تفصیلات کے بالکل برعکس تھی۔ جان راک فیلر، جے پی مورگن، جوزف کینیڈی اور برنارڈ بروچ نے کریش سے قبل سٹاک مارکیٹ سے تمام سرمایہ نکال لیا اور اپنے سرمائے کو سونے میں منتقل کر دیا۔ چوں کہ ان کے تمام دوستوں کو پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا، اگست میں فیڈرل ریزرو نے منی سپلائی میں کمی شروع کر دی۔ پھر 24 اکتوبر کو نیویارک کے بڑے بینکروں نے 24 گھنٹے کے بروکر کال قرضے مانگ لیے، اس کا مطلب تھا کہ سٹاک بروکروں اور ان کے صارفین دونوں کو قرضوں کی ادائیگی کے لیے سٹاک مارکیٹ میں اپنے سٹاک ڈمپ کرنا پڑتے تھے۔ چاہے اس کی فروخت کی وہ کوئی بھی قیمت مقرر کرتے۔ اس کے نتیجے میں سٹاک مارکیٹ اس بری طرح کریش ہوئی کہ اسے امریکی تاریخ میں آج بھی ''سیاہ جمعرات'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اپنی کتاب ''دی گریٹ کریش 1929ء'' میں جان کینتھ گیل بریتھ نے یہ بیان کیا ہے کہ ''فروخت کی دیوانگی کے عروج پر برنارڈ بروچ، ونسٹن چرچل کو ساتھ لے کر نیویارک سٹاک ایکسچینج کی وزیٹرز گیلری پر آیا تا کہ وہ خود سرا سیمگی کا جائزہ لے سکیں اور انہیں اپنی مالیاتی طاقت سے متاثر کیا۔'' ری پبلکن کارکن کانگریس لوئی ٹی میک فیدن جو ایوان کی بینکنگ کمیٹی کے رکن تھے، اس بار بھی بالکل صاف گو رہے کہ اس کا ذمہ دار کون تھا۔ انہوں نے اس کریش کے بارے میں کہا کہ ''یہ حادثاتی نہیں تھا بلکہ منظم طریقے سے کیا گیا..... انٹرنیشنل بینکروں نے ہم پر مایوسی کی کیفیت طاری کی ہے تا کہ وہ ہم سب کے حکمران بن سکیں۔''

فرینکلن ڈیلانو روزویلٹ کے داماد کرٹس بی ڈال جو لہمن برادرز کے بروکر تھے۔ اس روز وہ نیویارک سٹاک ایکسچینج کے فلور پر تھے، انہوں نے 1967ء میں اپنی کتاب "F.D.R My

Explotied Father-In-Law" میں لکھا کہ ''ان دعووں کے باوجود کہ فیڈرل ریزرو بحرانوں اور افراطِ زر سے کیسے نمٹے گا، یہ دراصل عالمی مالیاتی طاقتوں کی طرف سے لوگوں کو لوٹنے کی منظم کوشش تھی۔ اس کے تحت نیویارک منی مارکیٹ میں پیسے کی قلت پیدا کی گئی، ان لوگوں نے منی سپلائی کا مزید کنٹریکٹ جاری رکھا۔ 1929ء سے 1933ء کے درمیان انہوں نے منی سپلائی میں مزید 33 فیصد کمی کر دی۔'' یہاں تک کہ نوبل انعام یافتہ ماہر معاشیات ملٹن فریڈمین نے جنوری 1996ء میں اپنے ریڈیو انٹرویو میں کہا کہ ''بدترین بحران (Great Depression) لازمی طور پر فیڈرل ریزرو نے پیدا کیا۔ اس نے 1929ء سے 1933ء کے دوران زیرِ گردش کرنسی میں ایک تہائی کمی کر دی۔'' نیویارک مارکیٹ کریش ہونے کے چند ہفتوں بعد 3 ارب ڈالر کی دولت غائب ہو گئی جب کہ ایک سال کے اندر 40 ارب ڈالر منظرِ عام سے ہٹ گئے۔ تاہم اصل میں یہ غائب نہیں ہوئے بلکہ چند ہاتھوں تک محدود ہو گئے تھے۔ اس کی ایک مثال صدر جان ایف کینیڈی کے والد جوزف پی کینیڈی تھے۔ 1929ء تک وہ 40 لاکھ ڈالر کے مالک تھے لیکن 1935ء میں یہ دولت 10 کروڑ ڈالر سے تجاوز کر گئی۔ یہی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ڈیپریشن جنم لیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ بڑے بینکروں نے کریش سے پہلے اپنا سرمایہ سٹاک مارکیٹ سے نکالا اور اس سے سونا خرید کر لندن روانہ کر دیا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ کریش کے نتیجے میں اکثر امریکیوں کی دولت غائب نہیں ہوئی بلکہ چند لوگوں کے پاس چلی گئی اور جب گریٹ ڈیپریشن چل رہا تھا۔ کروڑوں امریکی ڈالر جرمنی میں جنگِ عظیم کے نقصانات کے ازالے کے لیے استعمال ہو رہے تھے۔ یہ بینکروں کی طرف سے دوسری جنگِ عظیم کی تیاری تھی۔ لوئیس میک فیدن نے، جو 1920ء سے 1931ء تک ہاؤس بینکنگ اینڈ کرنسی کمیٹی کے چیئرمین رہے، اس ضمن میں یہ کہا کہ ''جنگِ عظیم اوّل کے بعد جرمنی انٹرنیشنل جرمن بینکروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ انہوں نے جرمنی کو خریدا اور اب وہ اس کے مالک تھے۔ انہوں نے جرمن صنعتیں خریدیں۔ ان کی زمینیں گروی رکھیں۔ اس کی پیداوار پر ان کا کنٹرول تھا اور ہر سرکاری مال پر ان کا قبضہ تھا۔ انٹرنیشنل جرمن بینکروں نے موجودہ جرمن حکومت کو سبسڈائز کیا اور انہوں نے ہر ڈالر اڈولف ہٹلر کے حوالے کر دیا جس نے برونگ حکومت کے خلاف اپنی جنگی مہم تیز کر دی۔ جب چانسلر برونگ نے بینکروں کا حکم بجالانے میں ناکام رہا تو

جرمنوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے ہٹلر کو سامنے لایا گیا۔ یہ کام فیڈرل ریزرو بورڈ کے 30 ارب امریکی ڈالروں کے ذریعے کیا گیا۔ آپ جرمنوں کی جدید رہائش گاہوں، جمنازیم، سوئمنگ پولز، زبردست فیکٹریوں اور سڑکوں کے بارے میں یقیناً متاثر ہوں گے، یہ سب امریکی سرمائے سے کیا گیا اور یہ سب سرمایہ فیڈرل ریزرو بورڈ کے ذریعے جرمنی منتقل کیا گیا۔ انہوں نے اتنی بڑی مالیت میں سرمایہ جرمنی بھیجا کہ انہیں اس کے اصل اعداد و شمار دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔'' یہ سرمایہ جرمنی کو دوسری جنگ عظیم کی تیاری کے لیے دیا گیا اور اس کی منتقلی جرمن Thyssen Banks کے ذریعے کی گئی جو نیویارک میں ہیری مین سے منسلک تھے۔

☆1930ء: چارلس جی ڈیوس (روتھ شیلڈ کا ایجنٹ اور سابق امریکی نائب صدر) نے بینک فار انٹرنیشنل سیٹل منٹس (بی آئی ایس) قائم کیا۔ ان کے ساتھ اوون ڈی ینگ اور ہلمر ساشے آف جرمن بھی تھے۔ بی آئی ایس کو بینکر حضرات بینکوں کا بینک کہتے ہیں۔ جہاں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک حکومتوں سے لین دین کرتا ہے وہاں بی آئی ایس صرف بینکوں کے معاملات دیکھتا ہے۔ اس کے تمام اجلاس خفیہ ہوتے ہیں جن میں دنیا بھر کے بڑے بینکر شرکت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر فیڈرل ریزرو کا سابق سربراہ ایلن گرین سپان بی آئی ایس کے باسل سوئٹزرلینڈ میں قائم ہیڈ کوارٹر میں ہر سال 10 مرتبہ میٹنگ میں شرکت کے لیے جاتا تھا۔

بی آئی ایس کو خود مختار طاقت کا درجہ حاصل ہے اور یہ کسی بھی قسم کے حکومتی کنٹرول سے آزاد ہے۔ اس کے استثنیٰ (Immunity) کی فہرست اس طرح سے ہے:

1:۔ اس کے عہدیداروں اور ان کے سامان کو سفارتی استثنیٰ حاصل ہوتا ہے۔ 2:۔ اس کے لین دین اور ملازمین کی تنخواہوں پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاتا۔ 3:۔ میکسیکو اور چین سمیت دنیا بھر میں بی آئی ایس کے دفاتر اور عمارتوں کو سفارتی قسم کا استثنیٰ حاصل ہے۔ 4:۔ کوئی حکومتی ادارہ اس کی نگرانی کرتا ہے نہ ان کا آڈٹ کیا جا سکتا ہے۔ 5:۔ ان پر امیگریشن کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ 6:۔ کسی بھی قسم کی کمیونیکیشن میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ 7:۔ اسے کسی بھی قسم کی قانونی کارروائی سے استثنیٰ حاصل ہے، حتیٰ کہ ان کی پولیس فورس بھی اپنی ہے۔

بی آئی ایس کے موجودہ بورڈ آف ڈائریکٹرز میں درج ذیل افراد شامل ہیں: ان

میں سے صرف 5 نامزد کردہ ہیں جب کہ باقی مستقل ہیں۔ تاؤٹ ویلنک، ایمسٹرڈیم (چیئرمین)۔ ہانس ٹیٹ میئر، فرینکفرٹ (وائس چیئرمین)۔ ایکسل ویبر، فرینکفرٹ۔ ونسنز و ڈیساریو، روم۔ انتونیو فزیو، روم۔ ڈیوڈ ڈوج، اوٹاوہ۔ ٹوشیکو فکوئی، ٹوکیو۔ ٹموتھی ایف گیتھنر، نیویارک۔ ایلن گرین سپان، واشنگٹن۔ لارڈ جارج، لندن۔ ہرو ہاناؤن (Herve Hannoun)، پیرس۔ کرسچین نوئیر، پیرس۔ لارس ہینکنٹن، سٹاک ہوم۔ مروین کنگ، لندن۔ گائی کوآون، برسلز۔ جین پائیر ے روتھ، زیورچ۔ الفونسو کومٹ، برسلز۔

مؤرخ اور جارج ٹاؤن کے پروفیسر کیرل کیگلے نے 1975ء میں اپنی کتاب ''ٹریجڈی اینڈ ہوپ'' میں اس سینٹرل بینک کی تخلیق پر اس طرح تبصرہ کیا تھا: ''فنانشل کیپٹل ازم کی طاقتوں نے دنیا کا مالیاتی کنٹرول پرائیویٹ ہاتھوں تک محدود کرنے کا دُوررس منصوبہ بنا رکھا ہے تاکہ انہیں دنیا پر مجموعی طور پر سیاسی اور مالیاتی برتری حاصل ہو سکے۔ یہ نظام سینٹرل بینکوں کے ذریعے فیوڈل فیشن میں چلایا جائے گا۔ یہ لوگ مسلسل کانفرنسیں اور اجلاس منعقد کرتے رہتے ہیں جہاں خفیہ معاہدے کیے جاتے ہیں۔ ان بینکوں کا سرخیل بینک فار انٹرنیشنل سیٹل منٹس (BIS) باسل سوئٹزرلینڈ ہے، یہ ایک پرائیویٹ بینک ہے جسے دنیا بھر کے سینٹرل بینک چلاتے ہیں، جو خود بھی نجی کارپوریشنیں ہیں۔ ہر سینٹرل بینک سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ٹریژری قرضوں، زرمبادلہ میں سازباز اور معاشی سرگرمیوں پر نظر رکھ کر اپنی اپنی حکومت کو کنٹرول کرے گا۔ اس طرح اپنے حامی سیاست دانوں کو نوازا جاتا ہے۔''

باسل سوئٹزرلینڈ میں 1897ء میں پہلی صیہونی کانفرنس ہوئی تھی، جس کی سربراہی تھیوڈور ہرزل نے کی تھی۔

☆1932ء: لوئس ٹی میک فیڈن کہتے ہیں: ''ہمارے ملک میں دنیا بھر کی تاریخ کا کرپٹ ترین ادارہ ہے۔ میرا اشارہ فیڈرل ریزرو کی طرف ہے..... اس شیطانی ادارے نے امریکی عوام کو کنگال کر کے ہماری حکومت کو عملی طور پر دیوالیہ کر دیا ہے۔ یہ کام سرمایہ خور گدھوں کے ذریعے کیا گیا جو فیڈرل ریزرو کو کنٹرول کرتے ہیں۔'' لوئس فیڈن کانگریس کی کمیٹی برائے بینکنگ کے طویل عرصے تک سربراہ رہے۔ اقتدار میں اپنے آخری سال میں صدر ہربرٹ ہوور

(Herbert Hoover) نے ناکام ہونے والے بینکوں کی امداد کے لیے بیل آؤٹ کا پلان تیار کیا۔ انہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ ان بینکوں کو کروڑوں بھوکے ننگے امریکیوں پر ترجیح دی گئی تھی، تاہم ان کے منصوبے کو ڈیموکریٹ اکثریت والی کانگریس سے پذیرائی نہ ملی۔ اسی برس فرینکلن ڈی روز ویلٹ صدر منتخب ہو گئے۔

☆1933ء: 4 مارچ کو اپنے افتتاحی خطاب میں روز ویلٹ نے یہ بیان جاری کیا: ''ان بے اصول منی چینجروں کی حرکتوں پر عوامی عدالت میں فردِ جرم لگائی جا چکی ہے..... لوگوں کے دل و دماغ نے ان سرگرمیوں کو مسترد کر دیا ہے۔ یہ منی چینجر اپنے تخت سے ہماری تہذیب کے مندر میں گھس آئے ہیں۔'' بعد ازاں اسی برس انہوں نے سونے کی تمام قسم کی ملکیت اور سکوں کو غیر قانونی قرار دے دیا، تاہم نایاب (تاریخی) سکوں کو مستثنیٰ رکھا۔ بیشتر امریکیوں کے پاس سونا سکوں کی شکل میں تھا اور روز ویلٹ کے اس صدارتی فرمان سے عام آدمی بری طرح متاثر ہوا۔ چھوٹے سے قصبے امریکہ میں لوگوں نے روز ویلٹ پر اعتبار نہ کیا۔ البتہ لوگوں کو یہ سادہ سی چوائس دی گئی کہ یا تو وہ اپنی ملکیت میں سونا 20.66 ڈالر فی اونس کے سرکاری نرخ پر فروخت کر دیں یا پھر 10 سال قید اور 10 ہزار ڈالر جرمانے کے لیے تیار رہیں۔ ضبطی کا یہ حکم نامہ انتہائی غیر مقبول ہوا لیکن اس کو تیار کرنے والے کا کبھی پتا نہیں چل سکا۔ کسی رکن کانگریس نے اسے تحریر کرنے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ صدر روز ویلٹ تک نے کہا کہ انہوں نے خود بھی یہ حکم نامہ تحریر نہیں کیا بلکہ اسے پڑھا تک نہیں۔ اُس دَور کے وزیر خزانہ ولیم ایچ ووڈن نے بھی کہا کہ انہوں نے بھی اسے نہیں پڑھا لیکن کہا کہ ''یہ چیز ماہرین چاہتے تھے۔'' حیرت یہ ہے کہ وہ ماہرین کون تھے!

☆1934ء: لندن کے میگزین نیو بریٹن نے سابق وزیر اعظم ڈیوڈ لائیڈ جارج کا یہ بیان شائع کیا کہ ''برطانیہ بین الاقوامی فنانشل بلاک کا غلام ہے۔'' اسی آرٹیکل میں لارڈ برائس کے یہ الفاظ شامل تھے کہ ''جمہوریت کی اندرونی اور بدترین دشمن سرمائے کی طاقتیں ہیں..... بینک آف انگلینڈ، اس کے افعال کار اور مقاصد سے متعلق ایوان میں سوالات کرنے کی سپیکر اجازت نہیں دیتا۔'' لوئس میک فیڈن نے کہا کہ فیڈرل ریزرو کے ہاتھوں عوام ان حقوق سے محروم ہو رہے ہیں جن کی آئین میں ضمانت دی گئی ہے..... ہماری تہذیب ہم سے اس بات کی متقاضی ہے کہ

حکومت کے پبلک اکاؤنٹس کا معائنہ کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ عوامی بہبود کے حوالے سے کون سے جرائم کا ارتکاب کیا جارہا ہے..... اس ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے انتہائی برا سلوک کیا جا رہا ہے..... فیڈرل ریزرو یا فیڈ اپنے اختیارات چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ فیڈرل کا حکومت کے ساتھ سلوک غاصبانہ ہے..... فیڈرل ریزرو نے امریکہ کے خلاف تاریخ کے بدترین جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ ہماری عظیم قوم کے لیے یہ ایک عفریت ہے کہ اس پر ایک ایسا غدار حکومتی بورڈ حکومت کرے جو بین الاقوامی سود خوروں سے ملی بھگت کر کے خفیہ کھیل کھیل رہا ہے۔ جب فیڈ بل منظور کیا جارہا تھا تو عوام کو اندازہ تھا کہ یہاں ایک بین الاقوامی سسٹم نافذ کیا جا رہا ہے۔ ماورائے ریاست نظام کو انٹرنیشنل بینکر کنٹرول کر رہے ہیں جب کہ بین الاقوامی صنعتکار ان کے ساتھ مل کر اپنی خوشی کے لیے دنیا کو غلام بنانا چاہتے ہیں۔"

☆1935ء: صدر روز ویلٹ کے ضبطی کے حکم نامے کے تحت آخر کار امریکی عوام کی ملکیت میں موجود تمام سونا سرکاری نرخوں پر خرید لیا گیا۔ اس کے بعد کسی وضاحت کے بغیر سونے کی قیمت 35 ڈالر فی اونس کر دی گئی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس وقت اتنی مہنگی قیمت پر صرف غیر ملکی سونا فروخت کر سکتے تھے۔ سونے کی قیمتوں کا تعین کہاں ہوتا ہے؟ 1919ء سے روزانہ صبح 11 بجے لندن کے پرائیویٹ بینک این ایم روتھ شیلڈ اینڈ سنز کے کمرے میں۔ اس طرح وار برگ اور اس کے بینکار دوستوں جنہوں نے سٹاک مارکیٹ کریش ہونے سے پہلے 20.66 ڈالر فی اونس کے ریٹ پر سونا خریدا تھا اور اسے لندن لے گئے تھے اب واپس سونا لا کر امریکی حکومت کو مہنگے داموں فروخت کر سکتے تھے۔ منی چینجروں کا قول زریں ہی ہے کہ "جس کے پاس سونا ہے، وہی قانون بناتا ہے۔" صدر روز ویلٹ نے غیر قانونی طور پر ضبط کیے گئے سونے کے ذخیرے کے لیے نئی عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہ ڈیپازٹری فورٹ ناکس (Fort Knox) میں قائم کی گئی۔

☆1936ء: 3 اکتوبر کو کانگریس کے ری پبلکن رکن لوئس میک فیڈن کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ یہ ان پر تیسرا قاتلانہ حملہ تھا جو کارگر ثابت ہوا۔ اس سے پہلے بھی انہیں ایک بار زہر دیا گیا اور فائرنگ کی گئی۔ وہ فیڈرل ریزرو کو نکیل ڈالنے کی کئی برسوں سے کوشش کر رہے تھے اور انہوں نے کانگریس میں "فیڈ" کے بارے میں کئی حقائق کا انکشاف کیا تھا۔ انہیں کئی بار

دھمکیاں ملیں لیکن یہ امریکی محبِ وطن لوگوں کے لیے بولتا رہا جن کی وہ نمائندگی کر رہا تھا۔ نتیجتاً بینکروں نے اسے قتل کر ڈالا۔

☆1937ء: فورٹ ناکس کی تعمیر کے بعد سونا وہاں منتقل کیا جانے لگا۔

☆1938ء: فیڈرل ریزرو مالیاتی استحکام کی آڑ میں 25 سال سے امریکی معیشت کو کنٹرول کر رہا تھا اور اس نے گریٹ ڈیپریشن سمیت 3 بڑے معاشی بحران پیدا کیے۔ اس نظام کے اجرا کے بعد پہلے سے زیادہ سرمائے کے سٹاک، قیمتوں کے تعین اور آؤٹ پٹ کی حالت خراب کی گئی۔ جیسا کہ نوبل انعام یافتہ ماہر معیشت ملٹن فریڈمین نے اس کی تصدیق کی ہے، ''سب سے زیادہ ڈرامائی صورت حال دو جنگوں کے درمیانی عرصے میں سامنے آئی۔ ان میں 21-1920ء، 33-1929ء اور 38-1937ء میں مالیاتی کنٹریکشن کا معاملہ شامل تھا۔ امریکی تاریخ میں 20 سال کے دوران تین ایسے واقعات کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

یہ ثبوت مجھے اس بات پر قائل کرتا ہے کہ جنگ عظیم اوّل کے دوران اور بالکل بعد قیمتوں میں اضافی کا تقریباً تیسرا حصہ فیڈرل ریزرو سے منسوب تھا.... اور یہ کہ 21-1920ء، 33-1929ء اور 38-1937ء میں بڑی کنٹریکشنز کی شدت ریزرو حکام کے کمیشن کے اقدامات سے متعلق ہے... کوئی بھی نظام جو چند لوگوں کو بے حد اختیارات اور فیصلے کرنے کا حق دے دیتا ہے کہ غلطیاں، قابل معافی یا نہیں، برے نظام پر اس قدر دور تک اثر رکھنے والے اثرات رکھ سکتی ہیں۔ آزادی میں یقین رکھنے والوں کے لیے یہ ایک برا نظام ہے کیوں کہ یہ کسی مؤثر چیک کے بغیر چند لوگوں کو اس قدر وسیع اختیارات دے دیتا ہے، یہ آزاد سینٹرل بینک کے خلاف کلیدی سیاسی دلیل ہے:... کلے مینجو سرمائے کی تاویل دینا اس قدر سنجیدہ معاملہ ہے کہ اسے سینٹرل بینکرز پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔''

ملٹن فریڈمین یہ بھی بیان کرتے کہ ''میں کسی بھی ملک میں کسی بھی دور میں ایسے سنگین ڈیپریشن کو نہیں جانتا، جس کے ساتھ سرمائے کے سٹاک میں تیزی سے کمی نہ آئی ہو، اور اسی طرح نہ ہی سرمائے کے سٹاک میں کوئی تیزی سے ایسی کمی جس کے ساتھ سنگین ڈیپریشن نہ آیا ہو۔''

☆1941ء: بینک آف انگلینڈ کے 1928ء میں ڈائریکٹر رہنے والے سر جوشیا سٹمپ

نے بینکنگ کے حوالے سے یہ بیان جاری کیا:

''جدید بینکاری نظام میں پیسہ بنانے کے پیچھے کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ یہ ہاتھ کی صفائی کا اب تک ایجاد ہونے والا انوکھا ترین عمل ہے۔ بینکاری کا تصور بے انصافی سے پیدا ہوا اور اس کی پیدائش ''شر'' میں ہوئی۔ زمین کے مالک یہی بینکر ہیں۔ انہیں آپ زمین ان سے لے لیں لیکن سرمایہ بنانے کا اختیار برقرار رکھیں تو یہ لوگ پین کی نوک سے دوبارہ اتنا سرمایہ بنالیں گے کہ زمین خریدی جاسکے۔ ان سے یہ بڑا اختیار چھین لیں تو ان کی تمام خوش نصیبی ہوا ہو جائے گی۔ اور یہ خود ہی غائب ہونا پسند کریں گے۔ اس کے بعد یہ دنیا زیادہ بہتر اور خوش ہوگی۔ لیکن اگر آپ بدستور ان بینکوں کا غلام رہنا اور اپنی ہی غلامی کی قیمت ادا کرنا پسند کریں گے تو پھر بینکروں کا سرمایہ تخلیق کرنے اور کریڈٹ کنٹرول کا اختیار بحال رکھیں۔''

☆1944ء: امریکہ کی آمدن اس وقت 183 ارب ڈالر ہے لیکن ان میں سے 103 ارب ڈالر جنگ عظیم دوم پر خرچ کیے جارہے تھے۔ یہ جنگی اخراجات پہلی جنگ عظیم کے مقابلے میں 30 گنا زائد تھے۔ دراصل یہ امریکی ٹیکس دہندگان تھے جنہوں نے اتحادیوں کے مجموعی جنگی اخراجات میں سے 55 فیصد حصہ برداشت کیا۔ نیو ہیمپشائر کے شہر بریٹون ووڈز میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک (ابتدا میں اسے انٹرنیشنل بینک فار دی کنسٹرکشن اینڈ ڈویلپمنٹ یعنی آئی بی آر ڈی کہا جاتا تھا اور 1975ء میں اسے ورلڈ بینک کا نام دیا گیا) نے امریکہ کی جنگ میں مکمل شمولیت کی منظوری دے دی۔ بریٹون ووڈز سسٹم اور اسی طرح سے آئی ایم ایف کے مرکزی تخلیق کار ہیری ڈیکسٹر وائٹ اور جان مینارڈ کینز تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہیری ڈیکسٹر جس کا 1946ء میں انتقال ہوا، کو ایف بی آئی کے 16 اکتوبر 1950ء کے میمو میں ایک سوویت جاسوس کے طور پر شناخت کیا گیا، جس کا کوڈ نام ''جیورسٹ'' تھا۔ جان مینارڈ کینز برطانوی شہری تھا۔

ان دونوں اداروں نے وہی کچھ عالمی سطح پر کیا جو 1864ء کے نیشنل بینکنگ ایکٹ اور 1913ء کے فیڈرل ریزرو ایکٹ کے تحت امریکہ میں کیا گیا۔ انہوں نے دنیا بھر کے پرائیویٹ بینکوں پر مشتمل کارٹل بنایا جس نے رفتہ رفتہ دنیا بھر کے بینکوں کی کریڈٹ پالیسی تیار کرنے کا اختیار حاصل کرلیا۔ اسی طرح جیسے فیڈرل ریزرو ایکٹ کے تحت نئی کرنسی فیڈرل ریزرو نوٹس جاری

کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ آئی ایم ایف نے ویسے ہی عالمی کاغذی کرنسی (Fiat Currency) سپیشل ڈرائنگ رائٹس یا ایس ڈی آر کی تخلیق کی اتھارٹی حاصل کر لی۔ آئی ایم ایف کے رکن ممالک پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنی کرنسیوں کا ایس ڈی آر کے ساتھ تبادلہ کریں۔ آئی ایم ایف کا کنٹرول بورڈ آف گورنرز کے پاس ہوتا ہے اور یہ لوگ مختلف سینٹرل بینکوں کے سربراہ یا پھر مختلف محکمہ ہائے خزانہ کے سینٹرل بینکوں کے زیر اثر عہدیدار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ووٹنگ پاور میں امریکہ اور برطانیہ کو برتری حاصل ہے۔

☆1945ء: دوسری ''لیگ آف نیشنز'' کے ''اقوامِ متحدہ'' کے نام سے قیام کی منظوری دے دی گئی۔ اس بار بینکر دو عظیم جنگوں کے نتیجے میں عالمی سطح پر پائی جانے والی نفسیاتی، جسمانی اور جذباتی تھکاوٹ سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب رہے۔ اس عالمی حکومت کے تحت جلد ہی بین الاقوامی عدالتی نظام بھی تشکیل پانے والا تھا۔

☆1946ء: بینک آف انگلینڈ کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ یہ اقدام پہلی نظر میں دُور رس لگتا تھا لیکن حقیقت میں اس سے عملی طور پر کم ہی تبدیلی آئی۔ جی ہاں بینک کے تمام حصص ریاست کی ملکیت بن گئے لیکن حکومت کے پاس ان حصص کی قیمت ادا کرنے کے لیے کوئی سرمایہ نہ تھا۔ چنانچہ حصص یافتہ افراد کو سرمایہ دینے کی بجائے حکومت نے انہیں حکومتی سٹاکس جاری کر دیے۔ اگرچہ بینک کا منافع اب حکومت وصول کرنے لگی تھی لیکن اسے سٹاک ہولڈروں کو حصص پر سود بھی ادا کرنا پڑ رہا تھا۔ لہٰذا اس طرح بینک آف انگلینڈ اگرچہ سرکاری بینک تھا لیکن حقیقتاً برطانیہ کی منی سپلائی اب بھی پرائیویٹ ہاتھوں میں تھی اور 97 فیصد رقم انٹرسٹ بیئرنگ لون کی صورت میں ادا کی جا رہی تھی جو پرائیویٹ کمرشل بینک پیدا کرتے تھے۔ اس کے نتیجے میں بینک کو زیادہ تر یہی عالمی کمرشل بینک کنٹرول کرتے ہیں۔ بینک کے کورٹ آف ڈائریکٹر کے ارکان، جو پالیسی سازی اور افعال کار کا تعین کرتے ہیں، کا تعلق عالمی بینکوں، انشورنس، بزنس طبقے اور ماہرین معیشت سے ہوتا ہے۔ اگرچہ بینک آف انگلینڈ سینٹرل بینک ہے لیکن یہ ایک ریگولیٹری ادارے کا کام بھی کرتا ہے۔

☆1950ء: ہر وہ ملک جو دوسری جنگ عظیم میں شریک رہا، اس کا خسارہ کئی گنا بڑھ

گیا۔ 1940ء اور 1950ء کے درمیان امریکہ کا قومی خسارہ 43 ارب ڈالر سے بڑھ کر 257 ارب ڈالر ہو گیا یعنی 598 فیصد اضافہ۔ اسی دورانیے میں جاپانی خسارہ 1348 فیصد، فرانسیسی خسارہ 583 فیصد اور کینیڈا کا خسارہ 417 فیصد بڑھ گیا۔

جیمز پاول برگ نے سینٹ کمیٹی کے روبرو 7 فروری کو بیان دیا کہ ''ہم چاہیں یا نہ چاہیں لیکن ہمارے پاس ایک ورلڈ گورنمنٹ ضرور ہونی چاہیے۔ واحد سوال صرف یہ ہے کہ کیا یہ مقصد اتفاقِ رائے سے حاصل کیا جا سکتا ہے یا فتح کر کے۔''

یہی وہ وقت تھا جب سینٹرل بینکروں نے عالمی سطح پر حکومت کے قیام پر کام شروع کر دیا جس کے تحت 3 پہلوؤں سے معاشی نظام ہائے کو سینٹرلائز کرنا تھا۔ وہ اقدامات یہ تھے: اوّل یہ کہ دنیا بھر کی معیشتوں پر سینٹرل بینک کا غلبہ۔ دوم، یورپی یونین اور NAFTA جیسی سینٹرلائزڈ علاقائی معیشتیں۔ سوم، ایک عالمی سینٹرل بینک کے ذریعے سینٹرلائز عالمی معیشت، ایک عالمی کرنسی، اس کے علاوہ GATT جیسے معاہدوں کے سہارے تمام اقسام کے ٹیرف کا خاتمہ کر کے قومی خودمختاری کا اختتام۔

☆1953ء: صدر آئزن ہاور نے فورٹ ناکس کے آڈٹ کا حکم جاری کیا۔ معلوم ہوا کہ وہاں 70 کروڑ اونس سونا موجود تھا، جو دنیا بھر کے سونے کے ذخائر کا 70 فیصد تھا۔ اگرچہ قانون کے مطابق فورٹ ناکس کا آڈٹ ہر سال ہونا چاہیے تھا لیکن یہ آئزن ہاور کی صدارت کا دَور تھا جس میں آخری بار آڈٹ کیا گیا۔ وجہ کیا تھی؟ یہ جلد واضح ہونے والا تھا۔

☆1963ء: صدر کینیڈی نے سرخ مہر کے حامل ڈالر بلز کا اجرا کیا اور اسے یونائیٹڈ سٹیٹس کے نوٹ کہا۔ کئی لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پہلے ہی خسارے سے پاک (Debt Free) نوٹ چھاپ رہے تھے اور اسی بنا پر انہیں قتل کرا دیا گیا۔ بالکل اُسی طرح جیسے صدر لنکن کو کیا گیا تھا۔ تاہم سرخ مہر کے حامل یہ نوٹ صدر لنکن کے گرین بیکس سے کم ہی مماثل تھے۔ مقاصد کچھ بھی تھے بہرحال صدر کینیڈی نے 4 جون کو ایگزیکٹو آرڈر نمبر 11110 جاری کیا جس کے تحت حکومت امریکہ کو کرنسی کے اجرا کا دوبارہ اختیار مل گیا۔ اب اس کے لیے اسے فیڈرل ریزرو کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس آرڈر کے تحت محکمہ خزانہ کو چاندی کے ذخائر، چاندی یا سٹینڈرڈ سلور

ڈالروں کے بدلے میں نوٹ چھاپنے کا اختیار مل گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ سرکاری خزانے میں موجود چاندی کے ہر اونس کے بدلے حکومت خسارے سے پاک کرنسی جاری کر سکتی تھی۔

☆1967ء: کانگریس کی بینکنگ اینڈ کرنسی کمیٹی کے اس وقت کے چیئرمین رائٹ پیٹ مین نے ایوان میں بیان دیا کہ ''آج امریکہ میں درحقیقت 2 حکومتیں ہیں..... ایک تو آئینی حکومت ہے..... پھر فیڈرل ریزرو سسٹم میں بے قابو اور Uncoordinated گورنمنٹ ہے جو سرمائے کے اختیارات استعمال کر رہی ہے حالاں کہ آئین کے تحت یہ اختیار صرف کانگریس کو حاصل ہے۔''

☆1969ء: کانگریس نے ایک قانون کی منظوری دی جس سے فیڈرل ریزرو کو آئی ایم ایف کے ایس ڈی آر زامریکہ میں ریزرو کے طور پر قبول کرنے کا اختیار مل گیا۔ اب وہ ایس ڈی آر کے بدلے کرنسی نوٹ جاری کر سکتا تھا۔

☆1971ء: تمام خالص سونا خفیہ طریقے سے فورٹ ناکس سے منتقل کر کے 35 ڈالر فی اونس کے نرخوں پر عالمی منی چینجروں کو فروخت کر دیا گیا اور خیال تھا کہ یہ لندن میں سٹاک کیا گیا۔ یہی دَور تھا جب صدر نکسن نے صدر روز ویلٹ کا گولڈ ریزرو ایکٹ 1934ء منسوخ کر دیا اور امریکیوں کو دوبارہ سونا خریدنے کی اجازت مل گئی۔ اس کے نتیجے میں سونے کی قیمتیں چڑھ گئیں۔ 9 سال بعد 1980ء میں سونا 880 ڈالر فی اونس کے نرخ پر بیچا گیا۔ یہ قیمتیں فورٹ ناکس کے ذخیرے کی قیمتوں کے مقابلے میں 25 گنا زیادہ تھیں۔

☆ 1974ء: نیویارک کے ایک میگزین نے آرٹیکل میں دعویٰ کیا کہ راک فیلر فیملی فورٹ ناکس کے سونے کی فروخت کے لیے فیڈرل ریزرو سے ساز باز کر رہی ہے۔ اس آرٹیکل کی اشاعت کے 3 روز بعد اس خبر کے نامعلوم ذریعے یا سورس، نیلسن راک فیلر کے طویل عرصے تک سیکریٹری رہنے والے، لوئس بوئیر، نیویارک میں 10 منزلہ عمارت کی کھڑکی سے کود کر پراسرار طور پر ہلاک ہو گئے۔

☆1975ء: سابق صدر روز ویلٹ کی پوتی ایڈتھ روز ویلٹ نے نیو ہیمپشائر سنڈے نیوز کے مارچ 1975ء کے ایڈیشن میں شائع ہونے والی رپورٹ کی بنیاد پر حکومتی اقدامات پر سوال

اٹھاتے ہوئے کہا کہ ''فورٹ ناکس سے غائب ہونے والے سونے کے ذخائر پر یورپ کے مالیاتی حلقوں میں زوروشور سے بحث چل رہی ہے۔ لیکن ہمیں یہ چیز الجھا رہی ہے کہ انتظامیہ یہ واضح کرنے میں جھجک رہی ہے کہ ہمارے سونے کے ذخائر کے حوالے سے تشویش کی کوئی بات نہیں، اگر واقعتاً ایسا ہے بھی تو۔'' امریکی حکومت نے اس کے باوجود فورٹ ناکس کے آڈٹ کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی۔

☆1981ء: جب صدر رونالڈ ریگن نے منصب سنبھالا تو ان کے قدامت پسند ساتھیوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ حکومتی اخراجات چلانے کے لیے دوبارہ سونے کا معیار مقرر کر دیں۔ وہ اس تجویز سے متاثر ہوئے اور چند افراد پر مشتمل ''گولڈ کمیشن'' قائم کر دیا تا کہ سفارشات تیار کر کے کانگریس کو پیش کی جا سکیں۔

☆1982ء: ریگن گولڈ کمیشن نے کانگریس کو رپورٹ پیش کرتے ہوئے سونے کے سلسلے میں یہ حیران کن بیان جاری کیا: ''امریکی خزانے کے پاس کوئی سونا سرے سے موجود نہیں۔ جو سونا پہلے فورٹ ناکس میں تھا، وہ اب فیڈرل ریزرو کی ملکیت ہے، جو پرائیویٹ بینکروں کا ایک گروپ ہے۔ اور یہ سونا قومی خسارہ پورا کرنے کے لے فیڈ کو ادا کیا گیا۔''

☆1983ء: ایکواڈور کی حکومت پر آئی ایم ایف نے ڈیڑھ ارب ڈالر قرضہ لینے کے لیے دباؤ ڈالا کہ وہ ایکواڈور کے بڑے پرائیویٹ بینکوں کے واجب الادا قرضوں کی ادائیگی کا ذمہ لے۔ آئی ایم ایف کے مجوزہ قرضے کی واپسی یقینی بنانے کے لیے اسے بجلی اور دیگر سہولیات کے نرخ بڑھانے کو کہا گیا۔ جب اس سے بھی کام نہ بنا تو حکومت سے ایک لاکھ 20 ہزار ملازمین برطرف کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ آئی ایم ایف نے طے شدہ دورانیے کے اندر مختلف شرائط پوری کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔ ان میں نومبر 2000ء تک کوکنگ گیس کی قیمت 80 فیصد بڑھانا، واٹر سسٹم غیر ملکی کمپنیوں کے سپرد کرنا، برٹش پٹرولیم کو انڈیز (Andes) کے علاقے میں تیل پائپ لائن بچھانے کی اجازت دینا، مزید ورکروں کو برطرف اور باقی ماندہ ملازمین کے معاوضوں میں 50 فیصد کمی کرنا شامل تھا۔

☆1985ء: یہ بات واضح کرنے کے لیے سرمائے کی اکثر مقدار ان دنوں نہیں چھاپی جا رہی، برائے کرم لارڈ بیسوک (Lord Beswick) کی یہ تقریر ملاحظہ کریں جو 27 نومبر 1985ء کو

HANSARD کی جلد 468 میں ''منی سپلائی اینڈ دی پرائیویٹ بینکنگ سسٹم'' میں شائع ہوئی۔ اس کے مطابق انہوں نے کہا کہ ''مائی لارڈ میں نے 10 جون کو ملکہ عظمیٰ کی حکومت سے سوال کیا تھا کہ پچھلے 5 برس میں منی سپلائی میں کتنا اضافہ ہوا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ حکومت نے جواب میں فیصد کے حساب سے تفصیل دی اور پاؤنڈز کے ٹھیک ٹھیک اعداد و شمار نہیں بتائے۔ حکومت نے بتایا کہ اس عرصے میں سرمائے کی سپلائی میں 101.98 فیصد اضافہ ہوا اور اس بڑی شرح میں سے صرف 5 فیصد سرکاری سکوں اور نوٹوں کی صورت میں جاری کی گئی۔ باقی ماندہ 96.9 فیصد اضافہ ہماری معیشت کا اہم حصہ ہے۔ لہٰذا مجھے بتایا جائے کہ یہ کون جاری کرتا ہے۔ 23 جولائی کو میں نے ایک بار پھر حکومت سے سوال پوچھا تو وزیر خزانہ نے حکومت کی طرف سے بتایا کہ یہ 96.9 فیصد بینکاری نظام کے توسط سے معمول کے مطابق جاری کیا گیا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا پرائیویٹ ہاتھوں سے جاری ہونے والی کرنسی کی اتنی بڑی مقدار معمول کی بات ہے؟''

☆1987ء: ایڈمنڈ ڈی روتھ شیلڈ نے ورلڈ کنزرویشن بینک قائم کیا تا کہ تیسری دنیا کے قرضے اس بینک کو منتقل کیے جائیں اور بدلے میں یہ ملک بینک کو زمین دیں گے۔ اس کا مقصد دنیا کی 30 فیصد زمین کے مالک غریب ملکوں کی اراضی پر روتھ شیلڈ فیملی کا کنٹرول قائم کرنا ہے۔

☆1988ء: ورلڈ سینٹرل بینک کی تین شاخیں ورلڈ بینک، آئی ایم ایف اور بی آئی ایس اب ورلڈ سینٹرل بینک کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ انہوں نے بینکروں سے کہا کہ وہ 1992ء تک اپنے ریزرو اور سرمائے میں 8 فیصد تک اضافہ کریں۔ سرمایہ بڑھانے کے لیے عالمی بینکوں کو اپنے سٹاک فروخت کرنا تھے جس سے ریزرو لینڈنگ پر دباؤ پڑا۔ اس طرح ان ملکوں میں مالیاتی بحران شروع ہو گیا۔ مثال کے طور پر، ریزرو میں کم ترین حصے کا مالک ملک جاپان، اس کی سٹاک مارکیٹ 50 فیصد کریش ہو گئی جب کہ 2 سال میں کمرشل رئیل اسٹیٹ 60 فیصد گر گئی۔ آئی ایم ایف کے زیادہ سے زیادہ ایس ڈی آر (جن کے پیچھے کچھ بھی نہیں) جاری کرنے کا مقصد مشکل کا شکار ممالک کو قرضے دے کر آئی ایم ایف کے کنٹرول میں لانا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ ملک آئی ایم ایف کے چنگل میں پھنستے چلے جائیں گے، جب انہیں سود ادا کرنے کی تگ و دو میں مزید قرضے لینا پڑیں گے۔ تب آئی ایم ایف فیصلہ کرے گا کہ کن ممالک کو قرضے جاری کرنا ہیں اور کون فاقے

کریں گے۔ وہ قرضوں کی ادائیگیوں کے طور پر عوامی سہولیات جیسے ریاستی ملکیتی اداروں کو لیورج کوطور پر استعمال کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ وہ انہی کی ملکیت ہو جائیں گے۔

☆1992ء: تیسری دنیا کے مقروض ممالک نے، جنہوں نے ورلڈ بینک سے قرضے لیے تھے، 19 کروڑ 80 لاکھ ڈالر کی اقساط واپس کیں۔ یہ اصل رقم سے کہیں زیادہ مالیت تھی۔ اسی سال افریقہ کا بیرونی قرضہ 290 ارب ڈالر تک پہنچ گیا۔ یہ شرح 1980ء کی سطح سے اڑھائی گنا زیادہ تھی۔ اس کا نتیجہ بے روزگاری اور سہولیات کی کمی کی صورت میں نکلا۔ یہ سوویت صدر بورس یلسن کے لیے خاصی مایوس کن صورتِ حال تھی۔ اسی برس امریکی ٹیکس دہندگان نے فیڈرل ریزرو کو اُس قرض پر سود کی مد میں 286 ارب ڈالر کی ادائیگی کی، جو محض کاغذ چھاپ کر دیا گیا تھا۔

☆1994ء: امریکہ میں ریگل ایکٹ متعارف کرایا گیا جو لنکن کے گرین بیکس کی جگہ Debt based نوٹ جاری کرنے کا اختیار دیتا تھا۔ گرین بیکس 132 سال تک برقرار رہے تھے۔

☆1996ء: ہر کوئی حیران ہے کہ تمام عالمی پیداوار چین منتقل ہوتی کیوں نظر آتی ہے؟ اسی سال ''اکیسویں صدی میں چینی معیشت'' کے عنوان سے ایک رپورٹ میں پیش گوئی کی گئی کہ 2010ء میں چین کی فی کس آمدن 735 ڈالر سالانہ ہو جائے گی۔ یہ شرح عالمی بینک کے کم سے کم آمدنی کے معیار سے 30 ڈالر زائد ہے۔

☆1997ء: ٹونی بلیئر کے وزیراعظم بننے سے 2 ماہ پہلے برطانوی پارلیمنٹ میں ارل آف کیتھ نیس کا ایک دلچسپ بیان ریکارڈ کیا گیا: ''اگلی حکومت صورتِ حال پر کڑی نظر رکھے اور اپنی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے منی سپلائی پر کنٹرول کرے اور خسارے کی حامل معیشت سے نجات حاصل کرے۔ مائی لارڈز کیا وہ ایسا کرے گی؟ اگر نہیں کرتی تو ہمارا مالیاتی نظام ہمیں توڑ ڈالے گا اور ہم اپنی اولادوں کے لیے المیے کی وراثت چھوڑیں گے۔'' ٹونی بلیئر کے الیکشن کے 4 روز بعد وزیرِ خزانہ گورڈن براؤن نے (جو بعد ازاں وزیراعظم بنے) اعلان کیا کہ وہ بینک آف انگلینڈ کو سیاسی اثر و نفوذ سے آزاد کر کے مکمل خود مختاری دیں گے۔ زبگنیو برزنسکی نے 1997ء میں اپنی کتاب ''دی گریٹ چیس بورڈ'' میں انکشاف کیا کہ جرمنی، ورلڈ بینک میں سب سے بڑا شیئر ہولڈر ہے۔ آپ ذرا ذہن میں رکھیں کہ روتھ شیلڈ فیملی کے بینکر جرمنی کے مالک ہیں تو یہ بات سمجھنا

مشکل نہیں کہ ورلڈ بینک پر کنٹرول کس کا ہے؟

☆1998ء: آئی ایم ایف نے انڈونیشیا کے غریب افراد کے لیے سبسڈیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اسی دوران آئی ایم ایف نے انڈونیشیا کے سرمایہ داروں یا یوں کہہ لیں کہ بینکروں کو بچانے کے لیے اربوں ڈالر صرف کر دیئے۔ ورلڈ بینک کی افشا ہونے والی ایک دستاویز سے پتا چلتا ہے کہ ''ماسٹر پلان فار برازیل'' کے تحت سرکاری شعبے میں لچک دار ورک فورس کے لیے 5 شرائط رکھی گئیں کہ تنخواہیں اور مراعات کم کر دی جائیں، پنشن گھٹا دی جائے، اوقاتِ کار بڑھا دیئے جائیں، ملازمتوں کا استحکام کم کر دیا جائے اور روزگار کے مواقع بھی کم کر دیئے جائیں۔

☆1999ء: برازیل کی پرائیویٹائزڈ پاور کمپنی ''ریولائٹ'' پر قریبی علاقوں میں مسلسل لوڈشیڈنگ کی ذمہ داری عائد کی گئی۔ کمپنی نے بحرالکاہل میں طوفان اور بارشوں کو اس کی وجہ قرار دیا جب کہ ریوڈی جنیرو، بحراوقیانوس کے قریب واقع ہے۔ وجہ اصل میں یہ تھی کہ کمپنی نے اپنی 40 فیصد ورک فورس فارغ کر دی تھی۔ ریولائٹ کو اس سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی کیوں کہ اس کی شیئر پرائس 33 فیصد بڑھ گئی۔

☆2000ء: آئی ایم ایف نے ارجنٹائن سے مطالبہ کیا کہ سرکاری بجٹ خسارہ 5.3 ارب ڈالر سے 4.1 ارب ڈالر تک کم کیا جائے۔ جس وقت ملک میں بیروزگاری کی شرح 20 فیصد تھی تو انہوں نے خسارہ کم کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ آئی ایم ایف نے پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا چنانچہ اس نے ایمرجینسی ایمپلائمنٹ پروگرام کے ماہانہ 200 ڈالر معاوضے میں کمی کر کے اسے 160 ڈالر کرنے کی تجویز دے دی۔ انہوں نے سول سرونٹس کی مراعات بھی 12 سے 15 فیصد کم کرنے کو کہا۔ دسمبر 2001ء تک کوڑا کرکٹ سے کھانا ڈھونڈنے پر مجبور ملک کے عوام نے بیونس آئرس کو جلانا شروع کر دیا۔ عالمی بینک کے صدر جیمز وولفن سن نے بتایا کہ ''تمام بڑی یوٹیلیٹیز پرائیویٹائزڈ کر دی گئی ہیں۔'' یہ لوگ آبادی میں اس اشتعال اور تشدد کو کیسے کنٹرول کرتے ہیں؟ میں بتاتا ہوں۔ ارجنٹائن کا ایک 37 سالہ بس ڈرائیور جو 5 بچوں کا باپ تھا اور اسے ملازمت سے نکال دیا گیا تھا، ایک مظاہرے میں پولیس نے اس کے سر پر گولی مار کے اس کا کام تمام کر دیا۔

افریقی ملک تنزانیہ کی تقریباً 13 لاکھ آبادی ایڈز سے مر رہی ہے، اس پر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نے شرائط عائد کیں کہ وہ ہسپتالوں میں داخلے یا علاج کی فیس لگائے۔ مفت تعلیم کی جگہ سکولوں میں فیسیں وصول کی جائیں۔ اس کے بعد سکولوں میں اندراج کی شرح 80 فیصد سے کم ہو کر 66 فیصد ہوئی تو حیرت کا اظہار کر دیا۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک 1985ء سے تنزانیہ کی معیشت کے انچارج ہیں۔ اس وقت سے فی کس آمدن 309 ڈالر سے کم ہو کر 210 ڈالر ہو چکی ہے۔ تنزانیہ ایک سوشلسٹ ریاست ہے۔ 2000ء میں ورلڈ بینک نے تکبر کے ساتھ رپورٹ جاری کی کہ ''سوشلزم کی وراثت یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ یقین رکھیں کہ انہیں سہولیات کی فراہمی اور ترقی میں ریاست کا کردار بنیادی ہوتا ہے۔''

اسی طرح جنوبی امریکہ کے ملک بولیویا میں اس وقت تشدد شروع ہو گیا جب ورلڈ بینک نے پانی کی قیمت میں خوف ناک حد تک اضافہ کر دیا، اس ضمن میں پانی کی سروس کو پرائیویٹائز کر دیا گیا۔ انگلینڈ میں بھی ایسا کیا گیا تو اس سے پانی کی سپلائی کا معیار انتہائی گر گیا۔

☆2001ء: عالمی بینک کے سابق چیف اکانومسٹ پروفیسر جوزف سٹگلٹز نے عوام کو بتایا کہ اقوام کو بینکروں کا غلام بنانے کے لیے ورلڈ بینک نے 4 نکاتی حکمت عملی تیار کی ہے۔

اوّل: پرائیویٹائزیشن۔ اس کے تحت قومی لیڈروں کو قومی اثاثوں کی قیمت فروخت میں چند ارب ڈالروں کی کمی کی صورت میں سوئس بینکوں کے خفیہ اکاؤنٹس میں 10 فیصد کمیشن کی ادائیگی کی پرکشش ترغیب دی جاتی ہے۔ یہ صرف رشوت اور بدعنوانی ہے۔

دوم: کیپٹل مارکیٹ کی لبرلائزیشن۔ یہ ایسے ہر قانون کو مسترد کرتا جو سرمائے کی سرحد سے باہر منتقلی روکتا ہو۔ پہلے بیرون ملک سے سرمائے کا سیلاب لایا جاتا ہے اور جب معیشت بہتر ہونے لگتی ہے تو یہ سرمایہ واپس کھینچ لیا جاتا ہے جس سے معیشت کا کباڑہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ ملک آئی ایم ایف سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور وہ شرح سود یک لخت 30 فیصد سے 80 فیصد تک بڑھا دیتا ہے۔ ایسا ہی انڈونیشیا، برازیل اور دیگر ایشیائی اور لاطینی امریکی ممالک میں ہوا۔ بلند شرح سود سے ملک میں غربت کی شرح انتہائی بڑھ جاتی ہے۔ پراپرٹی کی ویلیو گر جاتی ہے اور قومی خزانے میں کمی واقع ہوتی ہے۔

سوم: مارکیٹ بیسڈ پرائسنگ: اس مرحلے میں خوراک، پانی اور گیس کے نرخ بڑھائے جاتے ہیں، جس سے قومی سطح پر انتشار پھیل جاتا ہے، اسے عموماً ''آئی ایم ایف فسادات'' کہا جاتا ہے۔ نتیجتاً سرمایہ غائب ہو جاتا ہے اور حکومتیں دیوالیہ ہو جاتی ہیں۔ اس سے غیر ملکی کارپوریشنوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ بقیہ قومی اثاثے کوڑیوں کے بھاؤ خرید لیتی ہیں۔

چہارم: آزاد تجارت۔ اس موقع پر انٹرنیشنل کارپوریشنیں افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیا میں اُمڈ پڑتی ہیں جب کہ اسی عرصے میں امریکی اور یورپی منڈیاں ان ممالک کی زرعی پیداوار کے لیے بند کر دی جاتی ہیں۔ درحقیقت آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک ہر ترقی پذیر ملک کو قرضہ دینے کے لیے بجلی، پانی، گیس اور فون کے نظام کی فروخت کی شرط لگاتا ہے۔ اندازہ ہے کہ ان شعبوں میں 4 کھرب ڈالر کے سرکاری اثاثہ جات ہیں۔

اس سال ستمبر میں پروفیسر جوزف کو معاشیات میں نوبیل انعام دیا گیا۔

☆2002ء: 12 اپریل کو امریکہ کے ہر اخبار نے یہ خبر شائع کی کہ وینزویلا کے صدر ہیوگو شاویز نے استعفیٰ دے دیا ہے کیوں کہ وہ غیر مقبول اور آمر حکمران تھے۔ اصل میں انہیں ایک بغاوت کے دوران اغوا کر لیا گیا اور ایک فوجی چوکی میں قید کر لیا گیا تھا۔ وہاں کے محافظوں کی ہمدردی کے باعث وہ وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر صدر بن گئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے پاس ایک ویڈیو ثبوت تھا کہ جب وہ چوکی میں قید تھے تو امریکہ کا ایک ملٹری اتاشی وہاں آیا تھا۔ شاویز نے، جنہیں مغربی میڈیا ملعون کرتا ہے، غریبوں کو دودھ اور مکانات دیئے اور ایسی زمینیں تقسیم کر دیں جن پر بڑے زمیندار کاشت نہیں کرتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ انہوں نے تیل پر رائلٹی 16 فیصد سے بڑھا کر 30 فیصد کر دی، جس سے ایکسون موبل اور دیگر بڑی انٹرنیشنل آئل کمپنیوں کو نقصان پہنچا۔ انہوں نے سرکاری آئل کمپنی کا بھی مکمل چارج سنبھال لیا، یہی نہیں بلکہ شاویز اس وقت ''اوپیک'' کے صدر بھی تھے۔ انہوں نے عالمی بینک کی 4 نکاتی حکمت عملی کو یکسر مسترد کر دیا اور بینکروں کو فائدہ پہنچانے کے لیے نہ صرف لوگوں کی تنخواہیں کم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ تنخواہوں میں 20 فیصد اضافہ بھی کر دیا، جس سے کم آمدنی والے لوگوں کی قوت خرید بڑھ گئی اور معیشت کو فائدہ ہوا۔ ان کے وزیر مگوئیل بوسٹامیدریز نے یہ بتاتے ہوئے

کہ وہ بینکرز کو لاحق خطرے سے پوری طرح آگاہ ہیں کہا کہ ''امریکہ ہمیں اقتدار میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہم نئے گلوبلائزیشن آرڈر سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو براعظم امریکہ (کے ممالک) کے لیے مثال ثابت ہوں گے۔''

☆ 2006ء: امریکہ اور برطانیہ اب افغانستان اور عراق میں جنگ میں مصروف تھے اور ایران پر حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ جنگ قرضوں کے اجرا کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ چنانچہ امریکہ مالیاتی تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا۔

☆2011ء: سی آئی اے کی ورلڈ فیکٹ بک کے مطابق، 2010ء میں لیبیا کی فی کس آمدنی 12,000 ڈالر تھی۔ تیل کی دولت سے مالا مال دیگر ممالک کے برعکس لیبیا میں یہ مساوی ترقی اور تیل کی فروخت سے حاصل کیے جانے والے ریونیو کو عوام کی فلاح پر خرچ کرنے سے ممکن ہوا۔ گریٹ مین میڈ ریور پراجیکٹ جو 70 فیصد لیبیائی باشندوں کو صاف پانی فراہم کرتا ہے، روتھ شیلڈ سے قرض لیے بغیر مکمل کیا گیا، یہ مالی وسائل لیبیا کے سینٹرل ریزرو بینک نے فراہم کیے تھے۔

لیبیا کے معمر قذافی نے افریقی اور مسلمان اقوام کو ایسی نئی کرنسی بنانے کے لیے جو ڈالر اور یورو کی حریف بن جاتی، 1996ء اور 2000ء میں ورلڈ مثابۃ کانفرنس کا انعقاد کروایا تھا۔ وہ تیل کو گولڈ دینار، سونے سے بنی واحد افریقی کرنسی، کے عوض فروخت کرنا چاہتے تھے۔ یہ اقدامات سینٹرل بینکوں کو کنٹرول کرنے والی طاقت ور اشرافیہ کو چیلنج کرنے کے مترادف تھے۔

2011ء لیبیا میں معمر قذافی کے خلاف احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے اور بعد ازاں ''عوامی ہجوم'' نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اسی دوران نیٹو افواج نے اپنی ہی عوام کے خلاف طاقت کا استعمال کرنے کے نام پر لیبیا میں فوجی مداخلت کر دی تھی۔ ایسا اس سے قبل بھی ہو چکا تھا۔ 2000ء میں عراق کے صدر صدام حسین نے اعلان کیا تھا کہ عراقی تیل کی تجارت اب ڈالروں میں نہیں بلکہ یورو میں ہوگی۔ اس کے بعد پابندیاں لگائی گئیں اور عراق پر حملہ کر دیا گیا۔

خلاصہ

اس ریسرچ کے دوران ان ناقدین کا بھی پتا چلا ہے جو موجودہ مالیاتی نظام پر تنقید

کرتے ہیں۔ کسی کو اس بات پر شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ جو لوگ سونے پر مبنی Gold backed کرنسی کے اجرا کے حامی ہیں، وہ بھی جلد اس پر تنقید کریں گے۔ دنیا کی تاریخ میں جو مالیاتی نظام مؤثر ثابت ہوا اور خسارے سے پاک رہا، وہ ''گرین بیکس'' تھا۔ خوش قسمتی سے نوبل انعام یافتہ ملٹن فریڈمین نے بینکروں سے منی سپلائی کا نظام واپس لینے کا ایک طریقہ پیش کیا ہے، جس سے افراط زر یا قلت زر کا بھی خطرہ نہیں ہوگا۔ امریکہ کی مثال لیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ امریکی قرضوں کی ادائیگی بانڈز کی اوپن مارکیٹ میں فروخت کے ذریعے کی جائے۔ یہ رقم بینکوں میں جمع کرائی جائے۔ 1913ء اور 1864ء کے بینکنگ ایکٹ منسوخ کر دیئے جائیں۔ اس سے ہر شخص کے ٹیکسوں میں کمی آئے گی کیوں کہ وہ مٹھی بھر بینکروں کو ادائیگی بند کر دیں گے، امریکہ کو آئی ایم ایف، بی آئی ایس اور ورلڈ بینک سے فوراً نکل جانا چاہیے۔

عالمی بینکاری کے اجارہ دار

فرخ سہیل گوئندی

یورپ اور امریکہ کے دولت مند گھرانوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بہت تھوڑی تعداد دنیا کی مادی دولت کے بہت بڑے حصے کی مالک ہے۔ یہ قوت لندن میں مرتکز ہے، جو عالمی بینک کاری نظام کا مرکز ہے۔ عالمی دولت کے بہت بڑے حصے پر چند گھرانوں کا یہ قبضہ انہی گھرانوں تک محدود رکھا جاتا ہے اور کئی نسلوں سے مسلسل برقرار ہے۔ یہ گھرانے انتہائی منظم خفیہ ''نجی'' اداروں کے ایک جال کے ذریعے اپنا کام کر رہے ہیں۔ تمام پردے ہٹائے جائیں تو ان کے پیچھے سے انہی کے چہرے نمودار ہوتے ہیں۔ اس گروپ کو عالمی اشرافیہ کہا جاتا ہے۔

یہ جس بنیاد پر دولت اکٹھی کرتے ہیں، وہ بڑی پیچیدہ ہے۔ یہ عالمی معیشت کو حقیقتاً کنٹرول کرتے ہوئے تاریخ کے راستے کا تعین کرتے ہیں۔ وہ ایک ''عظیم منصوبے'' پر عمل درآمد کر رہے ہیں، جس پر وہ بہت آگے تک جا چکے ہیں۔

جب لوگ عالمی اشرافیہ اور اس کے کاموں کے متعلق پہلی بار سنتے ہیں تو عموماً وہ اس پر یقین نہیں کرتے اور اس بات کو اعتبار کے قابل نہیں مانتے کیوں کہ یہ ایسی بات ہے جو بظاہر بہت غصہ دلانے والی ہے۔ تاہم اس موضوع پر پچھلے چند سال میں ایسی کتابیں اور مضامین کافی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان سب کو بڑی تحقیق کے بعد دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ان میں جو انکشافات کیے گئے ہیں، وہ حالیہ تاریخ کے واقعات سے مطابقت رکھتے ہیں، جس سے

شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔ یہ ''نیو ورلڈ آرڈر'' یعنی عالمی اشرافیہ کی سٹریٹیجی ہے، جس کی صورت اب واضح دکھائی دینے لگی ہے۔

مالیاتی وسائل چند افراد کے کنٹرول میں جانے کا عمل صنعتی انقلاب سے شروع ہوا تھا۔ اٹھارہویں صدی میں یورپ کا روتھ شیلڈ (Rothschild) گھرانا سامنے آیا اور اس نے انتہائی تیزی سے عروج حاصل کیا۔ روتھ شیلڈ گھرانا سب سے بڑی اور سب سے طاقت ور مالیاتی سلطنت ہے۔ اس مالیاتی سلطنت کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جب میئر ایمشیل بوار نے (جو بعد میں روتھ شیلڈ کہلانے لگا) ولیم چہارم سے وہ دولت ہتھیالی جو اس نے نپولین کی فوجوں سے لڑنے کے لیے برطانوی حکومت کے کرائے پر حاصل کیے گئے فوجیوں سے چھینی تھی۔ روتھ شیلڈ نے یہ دولت برطانیہ بھیجی، ایسٹ انڈیا کمپنی سے بہت بڑی مقدار میں سونا خریدا، ڈیوک آف ولنگٹن کی مہمات کے لیے رقم دی اور ''برادر ہڈ نیٹ ورک'' کے ذریعے حکومتوں کو استعمال کیا، جنگیں کروائیں اور انقلاب برپا کروائے۔ اس نے تنازعے کے دونوں فریقوں کو رقم ادھار دی، جو بینکنگ اشرافیہ کا مخصوص عمل بن گیا۔ روتھ شیلڈ کے اثرات کو نظر انداز کرنا مشکل ہے کیوں کہ اسی نے موجودہ زمانے کی ٹرانس نیشنل کارپوریشنز اور ''برادر ہڈ'' کے طویل المیعاد ایجنڈے کے مطابق، پوری دنیا پر اپنا کنٹرول قائم کرنے والی بینکنگ ایمپائرز کی بنیاد رکھی تھی، جیسا کہ تاریخ داں جان ریوس (John Reeves) کہتا ہے:

''میئر ایمشیل کو اس بات کا اندازہ کم ہی ہوگا کہ اس کے بیٹے ''آنے والے برسوں'' میں اتنی دولت و اختیار حاصل کر لیں گے کہ ان کے ہلکے سے اشارے پر قوموں کا امن تہ و بالا ہو جایا کرے گا، یورپی دولت پر ان کا طاقت ور کنٹرول انہیں اس قابل بنا دے گا کہ وہ امن اور جنگ کے لیے ثالثوں کا کردار ادا کریں کیوں کہ وہ اپنی مرضی سے جنگ کے لیے مالی وسائل مہیا کر سکتے تھے یا انہیں مہیا کرنا بند کر سکتے تھے۔''

یہ بات جتنی بھی ناقابلِ یقین لگے لیکن وہ اپنی بے پناہ دولت، لامحدود ساکھ اور وسیع اثر و نفوذ کی وجہ سے اس قابل ہو گئے تھے کیوں کہ کوئی فرم اتنی مضبوط نہیں تھی کہ ان کی مخالفت کر سکے یا ان کا ٹھکرایا ہوا کوئی کاروبار خود لے سکے۔ اس بلند ترین مقام پر پہنچنے کے لیے میئر ایمشیل

اور اس کے بیٹوں کو ریاستوں کا تعاون درکار تھا لیکن جب وہ اس مقام پر پہنچ گیا تو اسے کسی کے تعاون کی ضرورت نہیں رہی۔ اب وہ مکمل آزادی سے کام کرنے لگا تھا جب کہ ریاستیں اس کے پاؤں چاٹ رہی تھیں۔

فلسفۂ روتھ شیلڈ کو میئر ایمشیل نے خود ان الفاظ میں بیان کیا تھا: ''مجھے کسی ملک کی کرنسی کا کنٹرول دے دو، مجھے قانون سازوں کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔'' روتھ شیلڈ کے بیٹے ناتھن کے مرنے کے بعد تمام دولت کا مالک اس کا سب سے بڑا بیٹا لیونیل بنا۔ لیونیل نے امریکہ اور برطانیہ سمیت بہت سے دیگر ملکوں کو بڑی بڑی رقوم قرض دیں۔ اس نے کریمیا جنگ کے لیے برطانیہ کو آٹھ کروڑ ڈالر کا قرض دیا۔ لیونیل کا جانشین ناتھن ثانی تھا، جسے پہلا لارڈ روتھ شیلڈ بھی کہا جاتا ہے۔ اسے 1885ء میں برطانیہ کے دارالامرا میں نشست ملی۔ اسے بینک آف انگلینڈ (دی اولڈ لیڈی آف تھریڈ نیڈل سٹریٹ کا گورنر بنا دیا گیا جس سے اسے عالمی مالیاتی نظام پر لامحدود اختیار حاصل ہو گیا۔ مورگن اور راک فیلر جیسی نئی ایمپائرز کے وجود میں آ جانے کے باوجود اس کی قوت ختم نہیں ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہو گیا، اتنا اضافہ کہ صدی کی آخری دہائی تک عالمی مالیاتی نظام کی قوت اور کنٹرول کئی ''محاذوں'' پر مکمل طور پر عالمی اشرافیہ کے پاس چلا گیا۔

اب ہم صنعتی انقلاب کے آغاز کے زمانے میں چلتے ہیں۔ اس کے آغاز پر برطانیہ کی حکمران طاقتوں نے کیمونٹی لائف کو برباد کرنے کی سب سے خطرناک کوشش کی ابتدا کی۔ 1770ء سے 1830ء تک نج کاری کے 3280 قوانین منظور کیے گئے، جن کے تحت 60 لاکھ ایکڑ اراضی سرکاری ملکیت سے نکال کر نجی منافع کے لیے نجی ملکیت میں دے دی گئی۔ 1830ء تک کوئی ملک ایسا نہیں تھا جہاں اس کی مجموعی اراضی کے تین فی صد سے زیادہ اراضی سرکاری استعمال کے لیے بچی ہو۔ تاریخ دان جارج سٹرٹ کے مطابق نج کاری کا عمل تمام تبدیلیوں کی وجہ تھا، جو بالآخر پورے ملک پر محیط ہو گیا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کسی محراب کا کلیدی پتھر نکال دیا جائے۔ 1901ء تک محدود وسائل پر ان کا قبضہ بڑھ گیا تھا اور جمہوریت پہلے سے گھٹ گئی تھی۔ جب عالمی سرمائے کا کنٹرول امریکہ کی طرف منتقل ہونا شروع ہوا، تب 1901ء میں مورگن اور راک فیلر، امریکہ کے دو بڑے مالیاتی گروپوں کے سربراہ تھے۔ یہ دو بڑے مالیاتی گروپ 112 کارپوریٹ ڈائریکٹوریٹ

کا مجموعہ تھے اور ان کے مجموعی اثاثوں کی مالیت 22.2 ارب ڈالر تھی..... جو کہ اس زمانے کے اعتبار سے بہت بڑی رقم تھی۔ 1910ء میں جے پی مورگن نے دنیا کے دیگر سات بڑے مالیاتی گروپوں کے سربراہوں کی ایک انتہائی خفیہ میٹنگ منعقد کی۔ یہ میٹنگ جے پی مورگن کے جیکل آئی لینڈ کلب میں ہوئی تھی، جو جارجیا کے ساحل پر واقع تھا۔ اس میٹنگ کا مقصد ''بطخوں کا شکار'' تھا۔ چھے سال تک اس خفیہ میٹنگ کے متعلق کسی کو کچھ پتا نہیں چل سکا، تاہم اس کے بعد تھوڑی تھوڑی اطلاعات افشا ہوتی رہیں۔ مثال کے طور پر نیویارک ٹائمز نے 18 جنوری 1920ء کو امریکہ کے فیڈرل ریزرو سسٹم کے متعلق سب سے زیادہ انکشاف انگیز بیان شائع کیا، جس کے لیے ان خفیہ بینکاروں نے 1910ء میں بنیادی منصوبہ بنایا تھا: ''فیڈرل ریزرو قرض کا سرچشمہ ہے، سرمائے کا نہیں۔'' اس کا مطلب یہ تھا کہ فیڈرل ریزرو کے جاری کیے ہوئے نوٹوں کے پیچھے کوئی قیمتی دھات یا کوئی دوسری موزوں کموڈیٹی نہیں رکھی جا رہی تھی، جو صنعت و تجارت کی بہتری کے لیے فنڈز فراہم کر سکے بلکہ ان نوٹوں کے پیچھے صرف سُود پر لیے گئے کاغذ تھے۔

25 جولائی 1921ء کو اسی اخبار میں سینیٹراوون کا بیان شائع ہوا: ''فیڈرل ریزرو بورڈ دنیا کی سب سے بڑی مالیاتی قوت ہے۔ فیڈرل ریزرو ایکٹ میں بیان کردہ مقصد کے برعکس اُس نے اِس عظیم قوت کو خود استعمال کرنے کی بجائے بینکوں کو منتقل کر دیا ہے۔'' 3 مئی 1931ء کو نیویارک ٹائمز نے جے پی مورگن کے ایک قریب ترین ساتھی کی وفات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ''جیکل آئی لینڈ کلب دنیا کی مجموعی دولت کے چھٹے حصے کا مالک ہے۔'' یہ بات صرف اُن افراد کے حوالے سے کہی گئی تھی جو مورگن کے گروپ کا حصہ اور اس کے کلب کے ارکان تھے۔ اخبار نے راک فیلر گروپ اور یورپی دولت مند افراد کو اس میں شامل نہیں کیا تھا۔ نومبر 1910ء میں ''بطخوں کا شکار کرنے والوں'' میں بنجامن سٹرانگ بھی تھا۔ وہ جے پی مورگن کی بینکرز ٹرسٹ کمپنی کا سربراہ تھا۔ وہ 1914ء سے لے کر 1928ء میں اپنی وفات تک فیڈرل ریزرو بینک کا گورنر رہا۔ پال وار برگ بھی مذکورہ میٹنگ میں موجود تھا۔ پال کے نیویارک، انگلینڈ، فرانس، جرمنی اور ہالینڈ میں غیر معمولی حد تک مضبوط بینکنگ روابط تھے۔ فیڈرل ریزرو کے سربراہ کے پیچھے وہی حقیقی طاقت تھا۔ اس کا بھائی میکس عالمی جنگ کے دوران جرمن سیکرٹ سروس کا سربراہ تھا۔

جے پی مورگن اور اس کے ''بطخوں کے شکاریوں'' نے فیڈرل ریزرو سسٹم کے لیے بنیادی منصوبے ان پانچ مقاصد کے تحت بنائے تھے:

- ملک کے نئے بینکوں کی طرف سے بڑھتی ہوئی مسابقت ختم کرنا۔
- بغیر کسی کاروبار کے رقم پیدا کر کے اسے ادھار دینے کا کام کرنا۔
- تمام بینکوں کے ذخائر کو کنٹرول میں لینا۔
- کارٹیل کے ناگزیر خسارے ٹیکس دینے والوں پر ڈالنا۔
- کانگریس کو قائل کرنا کہ ایف آر ایس کا مقصد عوام کا تحفظ ہے۔

یہ منصوبہ انتہائی کامیاب رہا۔ جیسا کہ انتھونی سٹن تاریخ کے سب سے زیادہ واضح دھوکے کے متعلق تبصرہ کرتا ہے: ''فیڈرل ریزرو سسٹم دولت کی رسد کی ایک قانونی اجارہ داری ہے، جو عوامی مفاد کے تحفظ اور فروغ کے پردے میں چند لوگوں کے فائدے کے لیے کام کرتی ہے۔''

خفیہ میکنزم اور بدعنوانی کے متعلق ہونے والے انکشافات میں 1929ء میں امریکی معیشت کے ڈوبنے اور عظیم مندے کے متعلق انکشافات بھی شامل ہیں، جنہیں باقاعدہ طور پر 1916ء سے 1944ء تک بینک آف انگلینڈ کے گورنر مونٹیگ نورمن اور بنجامن سٹرانگ نے اپنے بعض دوستوں کی تھوڑی سی مدد سے برپا کیا تھا۔ سرمائے کے ان لٹیروں نے پہلی عالمی جنگ میں جرمنی کی مدد کر کے مسائل کو انتہائی الجھا دیا تھا اور ہٹلر کے اقتدار میں آنے کا باعث بنے تھے۔

حقیقی طاقت حاصل کرنے سے پہلے 1912ء میں مونٹیگ نورمن کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا، جس کا علاج اس نے اُس زمانے کے رواج کے مطابق سوئٹزرلینڈ جا کر ژونگ (Jung) سے کروایا تھا۔

جب اس طبقے کے لوگ عالمی جنگوں اور معاشی مندے کی سازشیں کرتے ہیں، جو دنیا کے کروڑوں لوگوں کی مصیبتوں اور موت کا باعث بنتی ہیں تو انہیں خطا کا احساس گھیر لیتا ہے اور وہ کبھی کبھار خوف اور وسوسوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسی کیفیت کو ان کے ساتھی ''اعصابی کمزوری'' کہتے ہیں۔ نفسیاتی معالجوں سے علاج کروانے کے بعد یہ لوگ نئی قوت کے ساتھ اپنے کام پر واپس آ جاتے ہیں۔ انہیں ''چھوٹے لوگوں'' سے مزید کوئی ہمدردی نہیں رہتی، جن کا انہوں

نے شکار کھیلنا ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ یوسٹیسن ملنس کے مطابق یہی انتہائی طاقت ور لوگ اور امریکہ کے فیڈرل ریزرو سسٹم کے پسِ پردہ ذمہ دار آج بھی دنیا کے آپس میں مربوط مالیاتی نظاموں کو کنٹرول کر رہے ہیں اور ''اپنے لیے منافع کمار ہے ہیں جب کہ باقی ہر کسی کا مقدر تباہی اور بربادی ہے۔''

1944ء میں بریٹن وڈز، نیو ہیمپشائر میں ہونے والی اقوامِ متحدہ کی پہلی بین الاقوامی مالیاتی کانفرنس کی بات کرتے ہیں۔ اسی کانفرنس میں دوسری عالمی جنگ کے بعد نیو ورلڈ آرڈر بنایا گیا تھا، جس کے تحت اختیار و اقتدار قومی ریاستوں سے لے کر بینکوں اور ٹرانس نیشنل کارپوریشنوں کو دے دیا جانا تھا۔

دو صدی سے زیادہ عرصہ پہلے ولیم پٹ نے ان تمام بربادیوں کو ان الفاظ میں بیان کیا: ''لا محدود اختیار و اقتدار اُن لوگوں کے ذہنوں کو کرپٹ کر دیتا ہے، جن کے پاس یہ لامحدود اختیار و اقتدار ہوتا ہے۔'' یہ قول لارڈ ایکٹن کے 1887ء کے اس بیان کے ذریعے عمومی طور پر زیادہ معروف ہے: ''اقتدار و اختیار کرپٹ کرتا ہے اور مطلق اقتدار و اختیار مطلق طور پر کرپٹ کرتا ہے۔''

بریٹن وڈز کانفرنس کے تحت دنیا بھر میں تیل کی رسد پر اینگلو امریکی اجارہ داری بھی قائم ہوئی اور انتہائی بااختیار اور طاقت ور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) اور عالمی بینک (ورلڈ بینک) وجود میں لائے گئے، جن کا کنٹرول امریکی فیڈرل ریزرو سسٹم کے ہاتھ میں ہے۔ یہ دونوں مالیاتی ادارے اپنے قیام کے وقت ہی سے تیسری دنیا کے ملکوں کو ارادتاً نہایت بے رحمی کے ساتھ انتہائی مقروض بنا چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نے ''جتنے زیادہ لوگوں کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے، اتنا تاریخ میں کبھی کسی غیر فوجی ادارے نے نہیں پہنچایا۔'' جیسی جیکس نے 1993ء میں کہا تھا: ''اب وہ گولیاں اور پھندے استعمال نہیں کرتے۔ اب وہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو استعمال کرتے ہیں۔''

1982ء سے 1990ء کے درمیانی عرصے میں مقروض ملکوں نے 1300 ارب ڈالر کی خطیر رقم آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو ادا کی لیکن اس کے باوجود نوے کی دہائی کے دوران اِن

ملکوں کا قرض 1982ء کے قرض کے مقابلے میں 16 فی صد زیادہ ہو چکا تھا۔ 1993ء میں امیر ملکوں نے امداد کے نام پر دیئے جانے والے ہر ایک پونڈ کے بدلے تین پونڈ قرضوں کی واپسی کے نام پر وصول کر لیے۔ نائیجریا کے ادیب اور ماحولیات کے تحفظ کے لیے کام کرنے والے کین سارو وِیوا نے ورلڈ بینک کے کردار کی ان الفاظ میں شدید مذمت کی:

''ورلڈ بینک کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کا تشدد کا حقیقی ذریعہ معاشی پیداوار میں اضافے پر اس کا اصرار ہے۔ وہ انسانی بہبود کی قیمت پر اپنی معاشی تھیوریز مسلط کرتا ہے۔ مقروض ملک جتنی جلد ورلڈ بینک کی سیاسی نوعیت کو سمجھیں گے، اتنی جلد وہ اس کی معاشی تھیوریز کا ایک اتنے ہی طاقت ور ہتھیار یعنی عوام کی قوت کے ذریعے مقابلہ کرنے کے اہل ہو جائیں گے۔''

کین سارو ویوا اور آٹھ دوسرے اوگونی (Ogoni) سیاسی کارکنوں کو نائیجرین ڈکٹیٹر جنرل اباچا نے 10 نومبر 1995ء کو پھانسی دے دی۔ ان کا پیغام اس وقت زیادہ واضح ہوا جب 1998ء میں آئی ایم ایف کے سینئر اکنامسٹ ڈیوسن بوڈھو (Davison Budhoo) نے آئی ایم ایف کی پالیسیوں کے گھناؤنے پن کی وجہ سے استعفیٰ دیا۔ اس نے کہا، ''میں یہ استعفیٰ اس مقصد سے دے رہا ہوں کہ میرے ہاتھوں سے کروڑوں غریبوں اور فاقوں سے مرنے والوں کا خون صاف ہو سکے۔''

آئی ایم ایف کے قیام کا مقصد تیسری دنیا کی مدد کرنا یا غربت ختم کرنا بالکل بھی نہیں ہے۔ اسے تو 1944ء میں ہونے وال بریٹن وڈز کانفرنس کے تحت مغربی دنیا کا معاشی اور مالیاتی نظام بحال کرنے کے لیے وجود میں لایا گیا تھا۔ اس کو بناتے وقت انسانیت سے ہمدردی کا کوئی عنصر شامل نہیں کیا گیا تھا۔ آئی ایم ایف کا بنیادی مقصد ترقی یافتہ ملکوں کے مفادات کو یقینی بنانا ہے۔ یہ ادارے ہر روز اتنے انسانوں کی ہلاکت کا باعث بن رہے ہیں کہ نہ تو ماضی میں کبھی اتنے انسانوں کو ہلاک کیا گیا ہے اور نہ مستقبل میں کیا جائے گا۔

ان دو نہایت غیر معمولی حد تک طاقت ور اداروں کے علاوہ جنرل ایگری منٹ آن ٹیرفس اینڈ ٹریڈ (GATT) بھی ہے، جسے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے قیام میں آنے کے تھوڑے عرصے بعد عمل میں لایا گیا تھا۔ اس پر 1993ء میں حتمی دستخط ہوئے۔ 1995ء میں ورلڈ ٹریڈ

آرگنائزیشن (ڈبلیو ٹی او) بنائی گئی۔ ان چار اداروں نے پوری دنیا پر کارپوریٹ لبرٹیرینزم (Corporate Libertarianism) کا فلسفہ مسلط کر دیا۔ اس کی راہ میں جو ملک بھی آتا ہے، اس کی بربادی کے سامان مکمل ہو جاتے ہیں۔

خفیہ ایجنڈا

ڈیوڈ آئیک نے اپنی کتاب "And The Truth Shall Set You Free" (سچ ہی تمہیں آزادی عطا کرے گا) میں دوسری عالمی جنگ کے بعد اشرافیہ کے منصوبے کے بنیادی اصولوں کا انکشاف کیا ہے:

اقوامِ متحدہ کہلانے والے ایک عالمی ادارے کا قیام عمل میں لانا (جو اپنے ذیلی اداروں مثلاً عالمی ادارۂ صحت کے ذریعے) ایک ایسی عالمی حکومت تشکیل دے گا، جو اس قدر بااختیار اور طاقت ور ہوگی کہ کرۂ ارض کے ہر انسان کی زندگی اس کے قبضے میں ہوگی۔

پوری دنیا میں تنازعات پیدا کروا کر اور سوویت یونین کا خوف پھیلا کر ایٹمی ہتھیاروں اور روایتی ہتھیاروں پر اخراجات میں اضافہ کروایا گیا۔ اس طرح ایٹمی جنگ کی دہشت بڑھا کر عالمی سکیورٹی کا مطالبہ کیا گیا۔ امریکی اور یورپی فوجوں کا اتحاد قائم کیا گیا (جسے نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن ''ناٹو'' کہا گیا) اور اقوامِ متحدہ کی ''امن قائم کرنے والی فوج'' بنائی گئی، جن کے ذریعے تنازعات کو اپنی مرضی سے استعمال کیا گیا۔ ان دونوں افواج کو ملا کر ایک عالمی فوج بنائی گئی۔

برِاعظم یورپ، برِاعظم شمالی و جنوبی امریکہ اور برِاعظم ایشیا میں تین ''آزاد تجارتی زون'' قائم کیے جائیں گے۔ انہیں شروع میں عوام کے سامنے محض معاشی گروپنگ کے طور پر پیش کیا جائے گا، تاہم بتدریج انہیں مضبوط مرکز والی سیاسی یونینز میں بدل دیا جائے گا، جن کا ایک مرکزی بینک اور ایک کرنسی ہوگی۔ یہ ایسے ہی ادارے عالمی سطح پر قائم کرنے کا ابتدائی مرحلہ ہوں گے۔ یورپین اکنامک کمیونٹی جسے اب یورپی یونین کہا جاتا ہے، ایسی پہلی یونین ہے اور باقی دو بھی تشکیل کے مرحلے سے گزر رہی ہیں اور جلد ہی وجود میں آ جائیں گی۔

o.....رائے عامہ اور انسانی نفسیات کو انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر زیادہ سے زیادہ کنٹرول کرنے کے لیے تحقیق کرنا اور اس کنٹرول کو وسعت دینا۔ اس ایجنڈے کے تحت اب انسانوں کے جسموں میں مائیکرو چپس لگا کر انہیں ایک عالمی کمپیوٹر سے جوڑ دیا گیا ہے۔

o.....معاشی نظام کے متبادل نظاموں کو تباہ کرتے ہوئے فلاحی ریاست کا قیام اور اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے بعد فلاحی ریاست کے فلاحی پروگراموں کو ختم کر دینا، جس کے نتیجے میں ایک ایسا بہت بڑا طبقہ پیدا ہوگا جو مجبور و مفلس اور بے دست و پا ہوگا۔

o.....اشرافیہ کے کنٹرول میں چلنے والے بینکوں اور کمپنیوں کے ذریعے ان تمام مقاصد کو حاصل کرتے ہوئے بے پناہ دولت اکٹھی کرنا۔

o.....افراد، کاروباروں اور ریاستوں پر قرضوں کا بوجھ بڑھاتے جانا تاکہ وہ مکمل طور پر کنٹرول میں رہیں۔

عوامی سوچ کو قابو کرنے کے لیے جس فلسفے پر عمل کیا جا رہا ہے، اس کی تکلیف دہ پیشگوئی تو کی جا سکتی ہے لیکن وہ انتہائی مؤثر ہے۔ وہ فلسفہ ہے قومی ریاست کا اعتبار اور ساکھ ختم کرنا۔ یہ فلسفہ عالمی جنگ کے دوران امریکہ میں پناہ لینے والے جرمن ماہرِ معاشیات ہانس ہیمن نے پیش کیا تھا۔ اس نے کارنیگی انڈومنٹ فار انٹرنیشنل پیس (Carnegie Endowment For Interantional Peace) کے دیئے ہوئے فنڈز استعمال کر کے ''مستقل امن کا منصوبہ'' (Plan for Permanent Peace) بنایا تھا۔

گلوبلائزیشن کے ڈھنڈورچی لوگوں کو یہ باور کروا رہے ہیں کہ دنیا ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے، اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ عالمی بینکاری نظام درحقیقت عالمی اجارہ داری نظام کا ایک شکنجہ ہے۔ گلوبل ویلج میں بسنے والے انسان درحقیقت ان عالمی ''سرمایہ کاروں'' کے غلام بنا دیئے گئے ہیں۔ یہ ایک گنجلک نظام ہے، جس کا ادراک وقت کی ضرورت ہے کہ یہ عالمی سرمایہ دار، بینکار اپنے اقتصادی مفادات کے لیے جنگ بھی مسلط کرتے ہیں اور امن کا پرچم بھی یہی بلند کرتے ہیں کیوں کہ ان کو تو اپنا سرمایہ بڑھانا ہے اور یہ ایک جدید امپیریل ازم ہے، جس کے لیے عملی بغاوت وقت کی ضرورت ہے۔ اس عملی بغاوت کے لیے بڑی مزاحمت کے لیے خود سرمایہ

دار دنیا کے ترقی پسند دانش ور علم اور معلومات لوگوں تک عام کر کے ایک تحریک پیدا کر رہے ہیں، جس کا آغاز وال سٹریٹ قبضہ سے ہو چکا ہے اور یہ تحریک امریکہ سے نکل کر سرمایہ دار دنیا کے مختلف ممالک میں جڑیں پکڑ رہی ہے، یہ تحریک ہی اگلے چند سالوں میں دنیا میں نئی عوامی تحریکوں کی مشعلِ راہ بنے گی۔

سامراجیت کی معاشیات

ٹونی نورفیلڈ

ڈالر کے بڑی عالمی کرنسی کے طور پر کردار کی بنیاد پر امریکہ کو ایک عرصے سے ''بے تحاشا مسلمہ استحقاق'' حاصل رہا ہے۔[1] اس مضمون میں دیکھا گیا ہے کہ ڈالر کے استحقاق کے مختلف عناصر کیا ہیں اور وہ ''معمول'' کے وقت میں اور خصوصاً موجود بحران میں کیسے کام کرتے ہیں۔

1- ڈالر کا عالمی کردار

تمام کاغذی کرنسیاں انہیں جاری کرنے والی حکومتوں کی جانب سے متعین کردہ قدر کے ساتھ نام نہاد ''Fiat'' یا کاغذی کرنسیاں ہیں۔ ہر کرنسی نوٹ کی تیاری پر محض چند ڈالر لاگت آتی ہے، سوان کی نام کے مطابق کہیں زیادہ قدر اور ایک، پانچ، بیس، سو ڈالر وغیرہ کی خرید کی قوت کی بنیاد تجارتی قانون کے ایک قائم شدہ نظام پر ہے، جس کا مطلب ہے کہ ان کا مبادلہ اسی قیمت کی اشیاء کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ریاست کا اختیار، کم سے کم اس معاملے میں، ناقابلِ سوال ہے، تو کرنسی کی تیاری میں وسائل برباد کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو اسی قدر کے ساتھ ایک اصلی قدر رکھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں 20 ڈالر کا ایسا نوٹ لینے کی کوئی ضرورت نہیں جس کی تیاری پر درحقیقت 20 ڈالر لاگت آئی ہو۔ یہ ریاست کی قومی سرحدوں کے اندر بہت اچھا کام کرتا ہے، جو عموماً قومی کاغذی کرنسی کے قانونی ٹینڈر ہونے کی حدود ہیں۔

پھر ایک یورپی، ایشیائی، لاطینی امریکی یا افریقی ملک کو اپنی مصنوعات کے عوض ڈالر

میں ادائیگیاں کیوں قبول کرنی چاہئیں جب کہ وہ امریکہ کی قومی سرزمین سے باہر ہیں؟ حتیٰ کہ ضروری نہیں کہ ڈالر ادائیگیاں کاغذی نوٹوں کی صورت میں ہوں گی اور وہ بینک اکاؤنٹس میں رجسٹر شدہ کریڈٹ کی صورت میں ہی ہوسکتی ہیں۔ ڈالر کی قبولیت کی وجہ امریکی اقتصادی اور سیاسی طاقت ہے۔ امریکہ نے 1945ء کے بعد عالمی فنانس کا ایک نظام قائم کیا اور امریکہ تب دنیا کی سب سے بڑی معیشت تھا اور ابھی تک ہے۔[2]

امریکہ کے پچھلے امتیاز یا اہمیت میں کمی آرہی ہے لیکن امریکی طاقت کے ادارے اپنی جگہ پر بدستور قائم ہیں اور انہیں ابھی تک تھوڑے ہی چیلنج کا سامنا ہے۔ فارن ایکسچینج کی تجارت میں، مثال کے طور پر امریکی ڈالر، یورو کے متبادل کے باوجود 2010ء میں تمام عالمی کرنسی ڈیلز میں 85 فیصد تھا۔[3] تیل سے لے کر زرعی مصنوعات اور دھاتوں کی تمام اہم اشیاء کی قیمتیں امریکی ڈالر کے ضمن میں بتائی جاتی ہیں اور اس میں تمام معاہدے طے کیے جاتے ہیں اور بڑی صنعتی اشیاء یعنی جہازوں، برقی مصنوعات کے پرزوں، فوجی ساز و سامان اور بین الاقوامی طور پر تجارت کی جانے والی دیگر بہت سی صنعتوں کی مصنوعات پر بھی اس بات کا اطلاق ہوتا ہے۔ مالیاتی سیکیورٹیز کی مارکیٹوں میں بھی امریکہ، دنیا میں سب سے بڑا ملک ہے۔ نیویارک سٹاک ایکسچینج مارکیٹ سرمایہ کاری میں سب سے بڑی ایکویٹی مارکیٹ ہے اور امریکہ، دنیا کی سب سے بڑی بونڈ مارکیٹ کا بھی وطن ہے۔ سو امریکی پاور کی بنیاد پر امریکی کرنسی ایک عالمی کردار رکھتی ہے۔ اگلے حصوں میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ اس سے کیا کیا فوائد حاصل کرتا ہے۔[4]

2۔ حکومت کو ڈالر میں اصل لاگت کے حوالے سے نفع

امریکہ کو حاصل ہونے والا سادہ ترین اور سب سے کم اہم فائدہ "Seigniorge" ہے، یعنی وہ نفع جو حکومت کو کرنسی جاری کرنے میں اصل لاگت کے حوالے سے ہوتا ہے۔ یہ اصطلاح اُس منافع کو واضح کرتی ہے، جو حکومت کو پیداواری لاگت سے بلند تر مبادلاتی قدر پر کرنسی شائع کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے، جیسا کہ اوپر متذکرہ اسی قدر رکھنے والے ڈالر بل کو شائع کرنے میں۔ تمام حکومتوں کی شائع شدہ کرنسی جو اس کی سرحدوں کے اندر قبول کی جاتی ہے، کو یہ برتری

حاصل ہوتی ہے لیکن امریکہ کو ایک خاص برتری حاصل ہے کیوں کہ ڈالر کو کئی دیگر ممالک میں بھی تسلیم یا قبول کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جب مقامی کرنسی غیر مستحکم سمجھی جاتی ہے، مثال کے طور پر جب افراطِ زر کی بہت بلند شرح کا خطرہ ہو تب کمپنیاں اور عام لوگ اپنا سرمایہ محفوظ رکھنے کے لیے امریکی ڈالر کا استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس کاغذ کے ٹکڑے ہیں، جن میں سے ہر کسی کی تیاری پر محض چند سینٹ لاگت آئی ہے لیکن جو کئی ہزار ڈالر کی قانونی ٹینڈر ویلیو رکھتے ہیں۔ اگر ڈالر کسی ملک کی برآمدات کی نقد ادائیگیوں کے ذریعے ملک میں سرمائے کی گردش میں داخل ہو گئے ہیں تو امریکہ نے اس ملک کے وسائل اپنے کاغذی سبز ٹکڑوں سے بدل لیے ہیں۔

بین الاقوامی Seigniorage کے لیے امریکہ کی قدر کو کسی درستی کے ساتھ پیمائش کرنا بجا طور پر خاصا مشکل ہے اور اس سے متعلق اندازوں میں بہت فرق ہے لیکن خیال ہے کہ بیرونِ ملک امریکی کرنسی 300 سے 600 ارب ڈالر کی مقدار میں گردش میں ہے، ایک مقدارِ رقم جس میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے۔[6] اس کا ایک تناسب وہ رقم ہوگی جو منشیات کی ڈیلز اور دیگر غیر قانونی سرگرمیوں میں استعمال ہوتی ہے لیکن اس کا نتیجہ امریکی معیشت کو ایک قابلِ ضبطی فائدہ پہنچانا ہے۔ کسی طور، غیر ملکیوں نے امریکہ کو، جو بھی وہ ہوں، جو بھی وہ چاہتا ہے، اشیاء پہنچادی ہیں اور بہت سے فراہم کاروں نے یہ نقد رقم کے عوض کیا ہے۔

3- سستی ڈالر فنانس

تاہم Seigniorage اُن فوائد کا محض ایک محدود تصور ہے جو امریکہ ڈالر کے کردار سے حاصل کرتا ہے۔ بین الاقوامی تجارت اور مالی معاملات میں ڈالر استعمال کرنے والے بیشتر لوگ اپنے ہاتھوں میں نقد رقم نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنا سرمایہ بینک اکاؤنٹس یا امریکی ڈالر کی فنانشل سیکیورٹیز کی صورت میں رکھتے ہیں (امریکی اثاثوں جیسا کہ ایکویٹی یا بونڈز کی ملکیت کی دستاویز)۔ اس کے ساتھ ڈالر کے مالکوں کو سود یا منافع کی ادائیگیاں حاصل ہوتی ہیں، سو امریکہ کو فنڈز مفت حاصل نہیں ہوتے۔ لیکن امریکی الر کے عالمی کردار کا کلیدی فائدہ سستی اور کم رسک والی فنانس کا حصول ہے۔ یہ دو طریقوں سے آتی ہے۔

پہلی، یہ حقیقت کہ امریکہ، دنیا کی معیشت کے مالیاتی وسائل مرتب کرسکتا ہے، سوا سے دوسرے ممالک کی نسبت فنڈز تک زیادہ آسان رسائی حاصل ہے۔ اس کا ایک اہم پہلو آفیشل زرِمبادلہ کے ریزروز میں ڈالر کا بڑا حصہ، تقریباً دو تہائی حصہ، ہونا ہے۔ 98-1997ء کے ایشیائی مالیاتی بحران کے بعد خطے میں اور دوسری جگہوں کے بہت سے ممالک نے دوبارہ تجدید شدہ مشکل کے خلاف اقتصادی انشورنس کے ذرائع کے طور پر اپنے کرنسی ریزروز بنانے شروع کیے۔[7] ان ریزروز کے لیے، عالمی فنانس اور بین الاقوامی اشیاء کی ادائیگیوں کے بڑے ذرائع کے طور پر امریکی ڈالر مرضی کی کرنسی تھی۔ سو 2000ء کے عشرے کے دوران، بڑھتے ہوئے امریکی کرنٹ اکاؤنٹ خسارے میں خصوصاً ایشین سینٹرل بینکوں سے مالیات کی بڑی برآمدات سے فنڈز حاصل ہوئے، جنہوں نے امریکی ٹریژری سیکیورٹیز اور دوسرے امریکی ڈالر سے موسوم اثاثے خرید لیے۔ ایک تحقیق کے مطابق ڈالر سیکیورٹیز کی ان خریداریوں کے نتیجے میں امریکی حکومت قرض حاصل کرنے کی لاگتوں (Borrowing Costs) کو دس سالہ قرض کے لیے 1.5 فیصد تک کم ہو جانا تھا، بہ مقابلہ اُس کے جو دوسری صورت میں لاگت ہوتی۔[8]

دوسرے، ڈالروں کی صورت میں قرضے جاری کر کے امریکہ فارن کرنسی کا رسک لینے سے بچ سکتا ہے۔ امریکہ سے متعلق بحران میں ڈالر کی قیمت دوسری بڑی کرنسیوں کے مقابلے میں گر سکتی تھی، لیکن اگر امریکہ نے ین، یورو یا سٹرلنگ سے کم یا کوئی بھی قرض موسوم نہیں کر رکھا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ممالک جو عالمی مالیات میں ایسا پر استحقاق مقام نہیں رکھتے ہیں.... وہ جو سامراجی طاقتیں نہیں ہیں..... عموماً بڑی غیر ملکی کرنسیوں میں قرض لینے پر مجبور کیے جاتے ہیں اور جب بحران آتا ہے تو انہیں مکمل اثرات و نتائج بھگتنا ہوتے ہیں۔

یہ سستی، کم خطرے کی مالیات بڑے امریکی تجارتی خسارے کی فنڈنگ کی لاگت کم کرتی ہے۔ یہ امریکہ کو، اس کی نسبت جو امریکہ میں غیر ملکی اپنی سرمایہ کاریوں سے حاصل کرتے ہیں، اپنی غیر ملکی سرمایہ کاریوں میں زیادہ آمدنیاں بنانے کے بھی قابل بناتی ہے۔ ایسا اس حقیقت کے باوجود ہے کہ امریکی سمندر پار اثاثوں کی قدر امریکہ میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کے اثاثوں کی قدر سے کہیں کم ہے۔ 2010ء میں امریکی نیٹ فارن انویسٹمنٹ آمدنی 171 ارب ڈالر تھی۔[9]

4۔ بحران میں امریکی فوائد

بین الاقوامی تجارت اور مالیاتی لین دین پر سب سے بڑے اثر کے ساتھ امریکی حکومت دنیا کی بڑی کرنسی کو کنٹرول کرتی ہے، چاہے ان کاروباری معاملات میں امریکی معیشت یا امریکی کمپنیاں ملوث نہ ہوں۔ امریکی ڈالروں میں کی جانے ڈیلز کو امریکی ڈالروں میں ہی طے کرنا ہوتا ہے۔ یہ لازمی طور پر نقد نوٹ حاصل کرنے سے نہیں ہوتا۔ بیشتر اوقات یہ بینکنگ تعلقات کے ذریعے ڈالر فنانس تک رسائی حاصل کر کے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی مالیاتی طاقت غالب اور برتر ہے۔

ایک بحران تجارت کو تہ و بالا کر دیتا ہے، جس سے کمپنیاں اور لوگ مالیاتی تعلقات میں تبدیلیوں کے سامنے زیادہ زد پذیر ہو جاتے ہیں۔ غالباً ایک خریدار درکار قرض تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا ہے یا ایک پیداکار یا پروڈیوسر وہ مجموعی پیداوار دینے کے قابل نہیں ہو پاتا جس کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ کرنسی یا اشیاء کی قیمتوں میں ڈرامائی تبدیلیوں سے مارکیٹ قیمتیں بھی انتہائی کم یا انتہائی بلند ہو سکتی ہیں۔ بحران میں کون بچ سکتا ہے، اس سے متعلق شکوک بڑھنے پر کریڈٹ تک رسائی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ امریکی مرکزی بینک فیڈرل ریزرو ڈالر کے کردار سے متعلق بیشتر عالمی معیشت میں اس کا انچارج ہے اور فیڈرل ریزرو سے مالیاتی مدد حاصل کرنے کی دستیابی اہم ہے۔

حالیہ سالوں میں مرکزی بینک کے بہت سے حکام کو اپنے اندرونی بینکنگ نظاموں کو بیل آؤٹ کرنا پڑا لیکن فیڈرل ریزرو نے کہیں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس نے امریکہ میں غیر ملکی بینکوں خصوصاً یورپی بینکوں کو اضافی فنڈ فراہم کیے ہیں۔ ستمبر 2011ء کے وسط میں اس نے یورو کی بنیاد پر کام کرنے والے بینکوں میں تقسیم کے لیے، پریمیم فیس کے لیے بھی، یورپی سینٹرل بینک کو اضافی ڈالر نقد رقم (لیکوڈیٹی) فراہم کی ہے۔ یہ اقدام کس طرح امریکی مفادات میں تھا، اس پر نیویارک ٹائمز نے روشنی ڈالی:

''حالیہ دنوں میں بعض یورپی بینکوں کو ڈالر قرض لینے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، چاہے وہ دوسرے بینکوں سے لے رہے تھے یا امریکہ میں منی مارکیٹ فنڈز سے۔ ڈر یہ تھا کہ اگر وہ

ڈالر قرض نہ لے سکے تو وہ امریکی کمپنیوں سے قرض منہا کرنے پر مجبور ہوں گے یا ڈالر کی صورت میں موجود اثاثے بیچ دیں گے، جس سے پہلے سے غیر مستحکم مارکیٹوں میں قیمتیں غالباً مزید کم ہو جاتیں۔'' [10]

ای سی بی سے حاصل کی گئی پروٹیکشن کے باوجود، یورپی بینکوں کی اس زد پذیری کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ ان کی بیشتر تجارت ڈالروں میں ہوتی ہے، ایک کرنسی جسے صرف امریکہ جاری کر سکتا ہے اور جس کے ذریعے امریکہ رسد کو کنٹرول کرتا ہے۔ ابھی تک اقتصادی تباہی اور اس متعدی بیماری کے خوف کا نتیجہ بڑی طاقتوں کے درمیان تعاون کی صورت میں نکلا ہے۔ لیکن ایروسپیس مصنوعات اور دیگر بین الاقوامی اشیائے صرف کی قیمتیں متعین کرنے میں ڈالر کے کردار کا مطلب یہ ہے کہ غیر امریکی بینکوں کے لیے ڈالر کے فنڈز تک رسائی رکھنا نہایت اہم ہے اور امریکہ کی جانب سے اب تک دکھایا جانے والا تعاون مستقبل میں آسانی سے دستیاب نہ ہوگا۔ Le Monde پہلے ہی شکایت کر چکا ہے کہ امریکی فیڈرل ریزرو، امریکہ میں غیر امریکی بینکوں کو اپنے اثاثے سیکیورٹی کے طور پر فائل کرنے کا کہہ رہا تھا، چاہے وہ درحقیقت فیڈرل ریزرو سے کوئی ڈالر فنڈز قرض لے بھی نہ رہے تھے۔ [11] یہ شکایت اگرچہ خاصی الجھی ہوئی تھی لیکن اس حقیقت کی عکاسی کرتی تھی کہ بحران میں بھی، جہاں معاملہ فنانس کا ہے، امریکہ اس پر استحقاق پوزیشن میں ہے کہ قوانین اور اصول طے کر سکے۔

5- سامراجی طاقت اور ڈالر

زوال پذیر امریکی اقتصادی طاقت ایک اہم طور پر عالمی مالیات میں امریکہ کی اہمیت اور امتیاز سے ایک آغاز ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، امریکہ اپنی کرنسی کم شرح سود پر قرض لینے کے قابل ہے اور امریکی ڈالر کے عالمی کردار کے باعث بڑے سائز اور ڈالر فنانشل مارکیٹوں کی لیکوڈیٹی کی بنیاد پر یہ فنڈز کو بآسانی متوجہ کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اگست 2011ء میں نیچے آنے والی امریکی کریڈٹ ریٹنگ نے بھی اس پر اثر نہ کیا۔ یہ امریکی سامراجیت کی جاری طاقت کی بنیاد پر ڈالر کا کردار ہے، جس نے امریکہ کو مالیاتی مارکیٹوں کے لیے اُس وقت بھی ایک ''محفوظ پناہ گاہ'' بنا

دیا ہے، جب امریکی معیشت بحران میں ہے۔

یقیناً امریکی مالیاتی ادارے پر بھی اقتصادی بحران کا اثر ہوا ہے۔ امریکی حکومت نے کئی بڑے بینکوں کو بندوق کی نوک پر ضم کرنے کا انتظام کیا ہے اور بہت سے چھوٹے بینک حالیہ برسوں میں دیوالیہ ہو گئے ہیں۔ البتہ امریکی مالیاتی نظام عالمی معیشت میں، دنیا کے اُن بڑے سینٹرل بینکنگ حکام کی پشت پناہی کے ساتھ ایک بڑی کرنسی کے Purveyor کے طور پر ایک پراستحقاق پوزیشن میں ہے، جو عالمی کریڈٹ اور لیکوڈیٹی کے بہاؤ کو کنٹرول کرتے ہیں۔[12]

امریکہ کی وسیع آبادی کے طرزِ زندگی پر ہونے والے حالیہ حملوں کے باوجود، یہ میکسیکو، برازیل اور ارجنٹائن سے جنوبی کوریا، انڈونیشیا اور تھائی لینڈ تک پچھلے چند عشروں کے دوران آنے والے بڑی مالیاتی اور اقتصادی بحرانوں کا شکار ہونے والے ممالک سے کم مشکلات برداشت کر رہا ہے۔ امریکی قرضے کی ریکارڈ سطحوں نے آئی ایم ایف کی کفایت شعار پالیسیوں کا کوئی اجرا یا نفاذ نہیں دیکھا ہے اور امریکہ کو بیرونی سرمائے تک رسائی میں ویسی اچانک رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسا کہ نہ صرف آئرلینڈ اور یونان کو بلکہ بہت سے دیگر ممالک کو بھی کرنا پڑا۔[13] یہ ہیں فوائد عالمی معیشت میں ایک بڑی سامراجی طاقت ہونے کے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اس یقین دہانی کے لیے جدوجہد کرے گا کہ اُس کی اور ڈالر کی بھی پوزیشن غیر چیلنج شدہ رہے۔

اکیسویں صدی اور امریکی معاشی جارحیت

رستی ڈیلوزو

دنیا پہلے ہی اکیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں قدم رکھ چکی ہے اور ابھی تک فوجی جارح ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سامراجی حکمرانی کے تحت ہے۔ عالمی معاملات پر امریکہ کے جاری غلبے کے ساتھ دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقت نے 9/11 کے بعد اپنے اصل ریاستی دہشت گرد کردار کو واضح طور پر عیاں کر دیا ہے۔ امریکہ کے دنیا بھر میں کھلے عام فوجی اقدامات کے آغاز، خصوصاً افغانستان اور عراق پر حملوں کے ساتھ اس نے دنیا کے تمام خطوں میں اپنے متصور کردہ دشمنوں کے خلاف خفیہ آپریشنوں کے سلسلے کی بھی مضبوطی و طاقت سے پیروی جاری رکھی ہے۔ مؤخر الذکر سامراجی مشغلے کو امریکی خارجہ پالیسی کے بعض منصوبہ ساز ''عالمی بغاوت'' کے خلاف ''بلیک جاسوسی'' (Black Reconaissance) کے اقدامات کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، واشنگٹن پوری دنیا کو ایک وسیع میدانِ جنگ سمجھتا ہے۔

پچھلی صدی اور پچھلے پورے عشرے میں خصوصاً 9/11 کے بعد امریکی سامراجیت اور دنیا پر غلبے کے لیے اس کا تزویراتی عالمی ایجنڈا، عالمی پیمانے پر پورے سپیکٹرم پر سامراجیت مخالف مزاحمتی طاقتوں کی وسیع رینج کی جانب سے یقیناً ناقابلِ چیلنج نہیں ہے۔ ان میں ریاستی، غیر ریاستی اور کراس ریاستی علاقائی طاقتیں، خصوصاً بین الاقوامی سوشلسٹ تحریک شامل ہیں، جو سامراجی سرمایہ داری نظام کی مکمل تباہی اور عالمی پیمانے پر حقیقی مساوات کی بنیاد پر اور جمہوری معاشرے کے قیام کے ذریعے دنیا کے مزدور و محنت کش طبقات کی انقلابی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔

جیسے جیسے بین الاقوامی سوشلسٹ تحریک، روس کے 1917ء کے گریٹ اکتوبر ریوولوشن کے سو برس مکمل ہونے کے قریب پہنچ رہے ہیں اور آج کی بالکل واضح اور خطرناک حد تک تباہ کن بین الاقوامی صورتِ حال کے باعث، ہم سب کو ایک بار پھر خود کو اور دیگر استحصال کا شکار اور مجبور و مظلوم عوام کو، ہمارے مستقبل کے اجتماعی اقدامات کی گائیڈ کے طور پر سائنسی سوشلزم کے کچھ بنیادی سچے نظریاتی اقوال یاد دلانے ہوں گے۔ کارل مارکس اور فریڈرک اینجلز دونوں نے اپنے 1848ء کے کمیونسٹ مینی فسٹو میں بیان کیا:

''بورژوائی معاشرے کی شرائط ان کی تخلیق کردہ دولت پر سمجھوتہ کرنے کے لیے بے حد محدود ہیں۔ اور بورژوائی ان بحرانوں پر کیسے قابو پاتے ہیں؟ ایک جانب پیداواری طاقتوں کے بیشتر حصے کی جبری تباہی کے ذریعے اور دوسری جانب نئی مارکیٹوں پر قبضے اور پرانی مارکیٹوں کے زیادہ استحصال سے۔ یعنی زیادہ وسیع اور زیادہ تباہ کن بحرانوں کی راہ ہموار کر کے اور ان ذرائع کو کم کر کے جن کے ذریعے بحران کی راہ روکی جاتی ہے۔''

بالشویک انقلابی رہنما لینن نے، جنہوں نے سامراجیت کے تصور کو اپنے 1916ء کے پمفلٹ "Imperialism, the Highest Stage of Capitalism" میں بڑے معقول انداز میں واضح کیا، دیگر نکات کے ساتھ کہا کہ سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی بڑی اجارہ داریوں کی تشکیل پر منتج ہوئی۔ ان صنعتوں کی نشوونما کے لیے قومی سرحدیں بے حد محدود ہیں اور وہ مسلسل نئی مارکیٹوں، خام مال کے نئے ذرائع اور اپنے ''وطن'' کی قوم سے باہر سرمایہ کاریوں کی نئی آؤٹ لیٹس حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ ایک بار جب دنیا عالمی طاقتوں میں تقسیم ہوگئی، انہیں ہمیشہ مارکیٹ مسابقت اس جانب دھکیلتی ہے کہ کس کی ملکیت کیا ہے اور ان کے پاس یہ طے کرنے کے لیے کہ کون کیا لیتا ہے، طاقت کے استعمال کے سوا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یوں، سامراجیت کا دَور ریاستوں کے مابین مسلسل اقتصادی مسابقت کا دَور ہے، جو بار بار فوجی مسابقت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

سرمایہ داری نظام کے تحت مشترک (اجتماعی) اور غیر مساوی ترقی کے اپنے نظریے سے رہنمائی پا کر لینن نے درست طور پر غور کیا کہ سامراجی دَور بین سامراجیت تنازع اور جنگ کا دَور ہوگا، بشمول عالمی جنگیں۔ وہ سامراجی دَور کو اہم سماجی انقلاب کا دورانیہ خیال کرنے میں زیادہ

تر درست ثابت ہوئے، چاہے ایسے انقلابات کے درمیان کچھ نسبتاً پرامن وقفے آتے ہوں۔ تقریباً ایک صدی قبل، بین الاقوامی سرمایہ دار اجارہ داریوں کی مستحکم تشکیل جنہوں نے دنیا کو آپس میں بانٹ لیا اور پورے کرۂ ارض کی، سب سے بڑی سرمایہ دار طاقتوں جیسا کہ جی ایٹ اور جی ٹوینٹی کے سرمایہ دار دہشت کے عالمی محور کے ممالک میں علاقائی تقسیم، دونوں نے لینن کے سامراجیت سے متعلق تصور اور انتباہ کو مزید مادی بنیاد فراہم کی۔

سرد جنگ کے بعد اور 9/11 سے قبل

آج امریکی سامراجی جارحیت کو کس نے مہمیز دی؟ بنیادی طور پر میں کم سے کم 150 اور مزید وجوہات سوچ سکتا ہوں۔ کیوں؟ کیوں کہ یہ تعداد عموماً 150 ممالک کے مماثل ہے، جو سرمایہ دار دہشت کے جی ایٹ۔ جی ٹوینٹی محور میں سرمایہ دار ریاستوں کے مرکزی سامراجی گروپ کی جانب سے سیاسی طور پر ہدایات وصول کرتے اور اقتصادی طور پر انحصار کرتے ہیں، جس گروپ کی مرکزی قیادت امریکہ اور اس کے جونیئر سامراجی علاقائی حلیفوں کے پاس ہے۔ ان سرمایہ دار علاقائی فیلڈ مارشلوں میں برطانیہ، جرمنی، جاپان، فرانس، جنوبی کوریا، آسٹریلیا، کینیڈا اور یورپی یونین شامل ہیں۔

یقینی طور پر تجزیے کے تاریخی مادی فریم ورک سے بین الاقوامی تعلقات میں سرد جنگ کے بعد کے دورانیے نے دنیا کے نظام کو زیادہ سیاسی طور پر مشرق مغرب کی دو قطبیت سے نسبتاً زیادہ اقتصادی شکل کی شمال مغرب عالمی تقسیم میں تبدیل کر دیا۔ یوں 1991ء کے بعد سے 9/11 تک دنیا کے نظام کی ترتیب نو نے دنیا کی سرکردہ سپر پاور کے طور پر امریکی سامراجی ریاست کے زیادہ غلبے اور تسلط کی یقین دہانی کروائی (سیاسی، اقتصادی، فوجی، ثقافتی اور تکنیکی طور پر)۔

اسی عشرے کے دوران ہی امریکی سامراجیت اور اس کے سابقہ مغربی سرمایہ دار حلیفوں نے ابھرتے ہوئے بین الاقوامی اقتصادی نظام پر ایک نولبرل عالمی آرڈر کوری ڈیزائن اور نافذ کیا۔ اس نئی بین الاقوامی حکومت کی بنیاد مکمل طور پر تمام پابندیوں سے آزاد، آزاد تجارت کے اصولوں پر تھی، خصوصاً زیر نگیں ممالک میں زیادہ نجکاری، لبرلائزیشن، ڈی ریگولیشن اور لیبر سے

متعلق پالیسیوں اور قوانین کو آگے بڑھانے میں۔

سامراجیوں کا بنیادی مقصد غریب مارکیٹ معیشتوں کو ایک نولبرل عالمی معاشی حکومت میں مضبوطی سے یکجا کرنا اور ان کے خام مال سے زیادہ فائدہ اٹھانے، سستی اشیائے صرف اور زائد مالیاتی سرمائے سے نجات حاصل کرنے اور بالآخر ان کی حکومتوں کو اپنی ریاستوں کے سامراجی کیمپ میں شامل کرنے کے لیے ان کی معیشتوں کے بارے میں تجسس اور چھان بین کی۔ ناگزیز طور پر اس سب کو گلوبل ساؤتھ کی انحصار کرنے والی معیشتوں میں سماجی اقتصادی تباہی پھیلانی تھی، جس نے دنیا کے بہت سے غریب ممالک کے اندر وقفوں سے اٹھنے والی اندرونی تنازعات کو ہوا دی۔ قابل فہم طور پر یہ صورتِ حال آج پہلے سے زیادہ مسئلہ بن رہی ہے۔

امریکہ میں 9/11 کے حملوں کے فوری بعد جارج بش کی قیادت میں سامراجی حکومت نے واشنگٹن کی نام نہاد ''دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ'' کے نام پر دنیا بھر میں خوں ریز اور تباہ کن حملوں کا آغاز کر دیا۔ یہاں مجھے یہ نکتہ اٹھانا ہوگا کہ ہمیں زیادہ درست طور پر اسے ''عالمی دہشت گردی کی جنگ'' کہنا چاہیے اور بنیادی طور پر اس لیے کہ امریکی سامراجیت باقی دنیا کے بیشتر عوام کو واشنگٹن کے عالمی ایجنڈا کی تعمیل یا پیروی کے لیے محض دہشت زدہ کر رہی ہے۔ دہشت گردی کو روکنے کی بجائے امریکہ اپنے خارجہ پالیسی کے ایجنڈا کو باقی دنیا پر بزور نافذ کرنے کے لیے اپنی عالمی دہشت کی پرورش و پرداخت کر رہا ہے۔

امریکی تزویراتی ایجنڈا دنیا میں نئی علاقائی مارکیٹوں تک رسائی کو وسعت دینے کی غرض سے بنیادی طور پر اقتصادی ہے۔ ان مارکیٹوں کی ضرورت امریکی مالیاتی سرمائے اور برآمدی اشیاء کی برآمد اور یقیناً تمام آئل سپلائز، دوسرے توانائی کے نئے امکانی ذرائع اور انتہائی قابلِ قدر یا قیمتی خام مال تک تقریباً مستقل رسائی کی یقین دہانی حاصل کرنے کے لیے ہے۔ امریکہ کی معاشی، فوجی، سائنسی اور ٹیکنولوجیکل مشین کو نئی صدی میں آگے لے جانے کے لیے ان لوازمات کی ضرورت ہے۔ اس لیے امریکی سرمایہ دار پراجیکٹ سب سے پہلے اور اہم طور پر دنیا کی سرکردہ سامراجی سرمایہ دار ریاست کے طور پر ہمیشہ اپنے تمام اقتصادی، سیاسی، سماجی، ثقافتی، سائنسی اور فوجی مفادات کے تحفظ اور ترقی کی یقین دہانی چاہے گا۔ اسی طرح اپنی وال سٹریٹ کے مالیاتی

طبقہ امرا کی اشرافیہ کے ساتھ براہِ راست تعاون میں واشنگٹن کی ماضی، حال اور مستقبل کی تمام سیاسی قیادتیں امریکی سامراجیت کے دفاع اور مضبوطی کے لیے بیرون ملک کی جانب سے تنقید کے باوجود ایک وفاقی کارپوریٹ جمعیت کے طور پر ہمیشہ متحد کھڑی رہی ہیں اور کھڑی رہیں گی۔

یوں تیل اور توانائی کے دیگر امکانی ذرائع، فری مارکیٹ تک رسائی، فوجی چوکیوں کے قیام اور فوجی رسائی کے معاہدے اور کٹھ پتلی حکومتیں ضروری اور اہم پرزے ہیں (ترجیحاً ایک پیکج کے اندر) جن کی امریکی سامراجیت کمزور ممالک کے ساتھ اپنے بیرونی تعلقات کے انتظام میں مسلسل آرزو رکھتی ہے۔ یہ واشنگٹن کا باٹم لائن فارن پالیسی ایجنڈا ہے اور اس میں کامیابی کے لیے یہ یقیناً ہمیشہ مستعد اور دنیا میں کہیں بھی اپنے مسلح آپریشن کے کھلے عام استعمال کے لیے تیار ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سوویت یونین کے حصے بخرے ہونے کے بعد بھی دنیا کے تمام علاقوں میں امریکی فوج کی فارورڈ فورس پروجیکشن استعداد کو مسلسل توسیع اور ترقی دی جارہی ہے۔

یہاں تک کہ سرد جنگ اور 9/11 سے قبل بھی امریکی استعمار یا سامراجیت، بین الاقوامی سوشلسٹ تحریک اور عالمی اسلام پسند تحریک دونوں کے خلاف واضح وجوہات کی بنا پر اپنی اصل نفرت میں ثابت قدمی سے جارح اور فوجی خصوصیات کی حامل ہے۔ تاہم امریکی سامراج کو اپنے عوام اور معاشرے کے سامنے یہ جواز دینے کے لیے امریکہ کا بین الاقوامی طور پر مصروفِ کار رہنا اس قدر اہم کیوں ہے، حملہ کرنے کے لیے کسی قسم کے ایک عالمی دشمن کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے اور اس سلسلے میں وہ مسلسل کمزور ممالک کے داخلی معاملات میں دخل دے رہا ہے۔

لیکن واشنگٹن کی ایک عالمی دشمن کی ضرورت کی اساسی بنیاد کی جڑیں اس کی ایک سامراجی سرمایہ دار ریاست ہونے کی خصوصیت میں ہیں۔ واشنگٹن کے نام نہاد صنعتی سیاسی تھنک ٹینک کمپلیکس، ملک کے بڑے سیاسی اقتصادی گڑھ ہیں اور اس کی بنیادی جنس، منافع کے بدلے موت بیچنے کی غرض سے، جنگی میٹریل اور جنگ جوئی ہے۔ فوجی دفاع پر دنیا میں سب سے زیادہ خرچ کرنے والے ممالک میں سے ایک کے طور پر اس کا دفاع سے متعلقہ کارپوریشنوں کا بڑا نیٹ ورک امریکی معیشت کے سب سے زیادہ منافع کمانے والے حصوں میں سے بھی ایک ہے، جو امریکہ کی سماجی اقتصادی بنیاد کو مستحکم اور چالو رکھتا ہے۔

9/15 کے بعد عالمی آرڈر

مارکسٹ مفروضہ اور طویل عرصے سے متوقع داخلی تضادات، جو سرمایہ دارانہ نظام کو ورثے میں ملے، نے ایک مرتبہ پھر خود اپنے سرمایہ دارانہ مرکزی خطے میں سامراجی کیمپ کو غیر مستعد کر دیا ہے۔ 15 ستمبر 2008ء کو لیہمن برادرز کی جانب سے دیوالیہ پن کی فائلنگ نے بعد ازاں وال سٹریٹ کے بڑے مالیاتی اداروں، قومی حکومتوں کی جانب سے بینکوں کے بیل آؤٹس اور دنیا بھر میں سٹاک مارکیٹوں میں مندے کے رجحانوں کو مہمیز دی۔ یہ بین الاقوامی شاک ویو اب اکیسویں صدی کا پہلا سرمایہ دارانہ بحران بن چکی ہے اور بہت سے ماہرین معاشیات کی جانب سے اسے 39-1929ء کی اُس عالمی کساد بازاری کے بعد بدترین سرمایہ دارانہ بحران سمجھا جا رہا ہے، جس کے باعث دنیا کی دوسری اور زیادہ خوں ریز بین سامراجی عالمی جنگ کے آغاز میں مدد ملی تھی، جو 1939ء سے 1945ء تک جاری رہی۔

نئے عالمی سرمایہ دارانہ بحران میں، جس کی بنیادی وجہ امریکی بینکنگ نظام میں لیکوڈیٹی شارٹ فال تھی، سرمایہ دارانہ ڈراؤنا خواب جو یونان، سپین، پرتگال، آئرلینڈ، آئس لینڈ اور حتیٰ کہ فرانس جیسے موجودہ یوروزون کے ممالک میں مندے کے رجحان سے عیاں ہوتا ہے، جاری و ساری ہے۔ اسی طور پر عالمی مارکیٹیں ابھی تک حالیہ ارتقاپذیر عالمی کرنسی جنگ سے ابھی تک لڑ کھڑا رہی ہیں جو بہت سی ایشیائی کرنسیوں خصوصاً چین کے یوآن کو امریکی ڈالر کے مقابل لے آیا۔

ابھی جاری عالمی سرمایہ دارانہ بحران کے بڑے اثرات و نتائج میں سے ایک کرنسی کی قدر کی مسابقت میں کمی ہے اور ریاستوں کی جانب سے اسے عموماً خود اپنی مارکیٹوں اور صنعت کو استحکام فراہم کرنے کے لیے نسبتاً کم شرح مبادلہ حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جا رہا ہے۔ یہ 9/11 کے عالمی سیاسی سیکیورٹی کے بحران سے خاصا قابل موازنہ ہے، جو واضح طور پر دنیا کی ہم عصر تاریخ میں ایک خطرناک تبدیلی کا موڑ تھا۔ اسی طرح عالمی سرمایہ دارانہ بحران اور اس کے ساتھ چھیڑی جانے والی عالمی کرنسی جنگ کی حالیہ صورتِ حال کو سامراج کی حکمرانی کے تحت عالمی نظام کے حالیہ ناقابلِ اعتبار عدم استحکام کو واضح کرنے کے لیے بعد از 9/15 دَور کہا جا سکتا ہے۔ یوں 9/15 اب امریکی سامراج اور اس کے رفیق کار رجعت پسندوں کو اسے درست کرنے کے لیے

فوری ردّعمل پر مجبور کرتا ہے کہ یقیناً یہ اُن کی سرمایہ دارانہ پالیسیاں تھیں جنہوں نے اس عالمی متعدی وبا کو پہلی بار جنم دیا تھا۔

سرمایہ دارانہ دہشت کے G-8 / G-20 عالمی محور کے دنیا کے سرکردہ سرمایہ کاروں نے اپنے طبقے کے مزاج کے متوقع ردّعمل دکھایا۔ درحقیقت حال ہی میں اور پچھلے چند مہینوں اور ہفتوں میں امریکہ کی قیادت میں سامراجیوں نے اپنے اشرافیہ کے بین الاقوامی مالیاتی نظام کی اندرونی کمزوری کو ختم کرنے کے لیے بین الاقوامی سیاسی اور اقتصادی ملاقاتوں کے تیز تر سلسلے کا آغاز کیا تھا۔ ان کا فوری فطری ردّعمل، دنیا کی اکثریتی غریب استحصال شدہ اور کچلی ہوئی عوام کو سہارا دینے کا سوچنے کی بجائے دنیا کے سرمایہ دارانہ نظام کو بچانے کی کوشش کرنا تھا۔

امریکی صدر بارک اوباما کی حکومت کے تحت امریکی سامراج نے ستمبر 2010ء کے اواخر میں نیویارک میں اپنے امریکی خارجہ پالیسی کے ایجنڈا کا جارح انداز میں دعویٰ کرنے کے لیے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی (اور سلامتی کونسل کی بھی) میٹنگوں میں غالب رہنے یا غالب آنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے اسی سامراجی تکبر اور رویے کے ساتھ بعد میں اکتوبر میں برسلز میں ہونے والی ایشیا یورپ میٹنگ (ASEM)، اکتوبر کے اواخر میں ہنوئی میں ایسوسی ایشن آف ساؤتھ ایسٹ ایشین نیشنز یعنی آسیان (ASEAN) کے سمٹ، نومبر کے دوسرے ہفتے میں سیئول میں جی ٹوینٹی کے سمٹ اور پھر نومبر کے وسط میں ایشیا پیسفک اکنامک کوآپریشن (APEC) کے سمٹ میں شرکت کی۔

لزبن میں ہونے والے 2010ء کے نارتھ اٹلانٹک ٹرٹی آرگنائزیشن (NATO) کے سمٹ میں اوباما نے عوامی طور پر یہ مؤقف دیا کہ امریکہ اور نیٹو افواج 2014ء اور ممکنہ طور پر اس کے بعد بھی افغانستان میں جنگ لڑتی رہیں گی۔ یہ اُس سے بالکل متضاد بیان تھا، جو نیٹو کے دیگر رکن ممالک کھلے عام اعلان کرتے رہے تھے اور جو یہ تھا کہ نیٹو افواج، افغانستان سے 2014ء تک باہر نکل آئیں گی۔ درحقیقت ہم سب کو بلند آواز میں پوچھنا چاہیے کہ نیٹو، افغانستان میں جنگ کیوں لڑ رہی ہے جب کہ اس کی آپریشنل ذمے داری کا متوقع علاقہ صرف بحرالکاہل کا تھیٹر آف آپریشنز ہونا چاہیے اور مغربی ایشیائی علاقے کے آپریشنز نہیں۔ یہاں تک کہ ہم یقیناً نیٹو کو ایک تبدیل شدہ نام ''نیو افغانستان ٹروپس آرگنائزیشن'' دے دیں یا حتیٰ کہ

''نیوامریکن ٹیرسٹ آرگنائزیشن''، لیکن پھر ہر صورت میں یہ امریکہ کے سامراجی تھے جنہوں نے افغانستان میں نیٹو افواج کو بلایا تا کہ امریکہ کو اس خطے کے اردگرد خصوصاً ایران سے تیل کی مزید رسد کے حصول میں مدد مل سکے۔

امریکی سامراجیت کے موجودہ جارحانہ حملے

امریکی سامراجیت کے ایجنڈے اور اصل کردار کی وضاحت کرنے والے کچھ کلیدی نظریاتی اور تاریخی عناصر مختصراً پیش کرنے کے بعد میں اب آپ کے ساتھ امریکی خارجہ پالیسی کے موجودہ جارحانہ حملوں کے ساتھ مطابقت میں آپ کے سامنے ایک حقیقی صورتِ حال کے مطابق سیاق وسباق پیش کرنا چاہوں گا۔ تاہم آگے بڑھنے سے قبل میں اس عمومی تمہید سے آغاز کرنا چاہوں گا۔

''امریکی سامراجیت اگلے عشرے کے دوران خود کو دنیا کی غیر متنازع حکمران طاقت کے طور پر مضبوط کرنے کے فوری عزائم رکھتی ہے۔ یہ بین الاقوامی معیشت اور اس کے ساتھ اس کے تیل اور دوسرے سٹریٹجک وسائل پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کے ساتھ ایسا کرے گی۔ یہ اپنے مفادات کی حفاظت میں اپنے آزاد موقف پر قائم رہتے ہوئے امریکی قیادت اور اثر کے تحت سیاسی الائنس بنا کر یہ کرے گی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے امریکی سامراجیت اپنی بلیک اور وائٹ دونوں آپریشنل طاقتوں کو کسی بھی اور تمام متصور کردہ عالمی خطروں کے خلاف جہاں ضرورت ہو استعمال کرنے سے کبھی نہیں ہچکچائے گی۔''

موجودہ بین الاقوامی صورتِ حال کے تحت امریکی سامراجیت کے موجودہ جارحانہ راستے پر مستحکم طور پر زور دینے اور مزید دکھانے کے لیے اب درج ذیل نکات اور inputs پیش کروں گا۔ میں اپنے عمومی دعوے کی حمایت میں یہ تحریر کر رہا ہوں۔

واشنگٹن کا دائیں طرف مزید سیاسی جھکاؤ

امریکہ کے 2010ء کے وسط مدتی انتخابات کے نتیجے میں امریکی کانگرس اور بیشتر

ریاستوں کے اندر زیادہ روایتی امریکی دائیں بازو کو صرف مضبوط ہی کیا گیا۔ رجعت پسند ری پبلیکن پارٹی کو اب ایوانِ نمائندگان اور 50 میں سے 26 ریاستوں کی گورنر شپ حاصل ہے۔ یہ ووٹ امریکی سامراجی اقدار، خصوصاً بیرون ملک، میں مزید سیاسی تبدیلی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ صدر اوباما اور ان کی ڈیموکریٹک پارٹی اگر 2012ء کے انتخابات میں دوبارہ منتخب ہونے کی توقع رکھتے ہیں تو وہ اس کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ہم اُن سے توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ امریکی دائیں بازو سے زیادہ ووٹروں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے زیادہ جارحیت پسند خارجہ پالیسی کا آغاز کر کے ری پبلیکن پارٹی کی زیادہ لڑائی پسند خارجہ پالیسی کا توڑ کریں گے۔

اس نکتے پر زور دینے کے لیے ہم اسے پہلے ہی کورین جزیرہ نما میں فوجی تصادم پر ان کے فوری خارجہ پالیسی ردّعمل کے تناظر میں دیکھ سکتے ہیں (3 نومبر، 2010ء)۔ یہ تحریر کرتے ہوئے، امریکی نیو کیریئر سٹرائیک گروپ فائیو (CSG5) یو ایس ایس جارج واشنگٹن کی قیادت میں اوباما کے براہِ راست احکامات کے تحت اب جاپان سے جنوبی کوریا کی راہ پر ہے تاکہ بحیرۂ زرد (Yellow Sea) میں 28 نومبر سے یکم دسمبر (2010ء) تک ہونے والی نام نہاد جنگی مشقوں میں فوری طور پر جنوبی کوریا کی کٹھ پتلی فوج کے ساتھ شریک ہو سکے۔

اس لیے انقلاب پسند سوشلسٹوں اور ترقی پسندوں کی حیثیت سے ہمیں فوری طور پر اس کھلے عام جنگ جویانہ سامراجی ردّعمل کی مذمت کرنی ہوگی جو پیونگ یانگ کو محض مزید فوجی ردّعمل پر اکسا سکتا ہے اور جو مشرقی ایشیائی خطے کو امریکہ کی سامراجی مقصد کے لیے شروع کی گئی جارح جنگ میں گھسیر سکتا ہے، جو بالآخر دوسرے بہت سے علاقائی ایکٹرز کے ساتھ چین اور روس کو بھی اس میں شامل کر لے گی۔

اور قبل اس کے کہ کوئی بھولے، دونوں کوریا جنگ کی اُس حالت میں پھنسے ہوئے ہیں جو جون 1990ء میں تنازع کے آغاز کے وقت سے حتمی امن معاہدے سے کبھی بھی باضابطہ طور پر ختم نہیں ہوئی۔ ری پبلک آف کوریا (ROK) اور ڈیموکریٹک پیپلز ری پبلک آف کوریا (DPRK) نے جولائی 1953ء میں محض جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے تھے جس کا نتیجہ 57 سالہ پرانے جنگ میں سیز فائر کی شکل میں نکلا، جو اس بات کی واضح طور پر وضاحت کرتا ہے کہ ری پبلک آف

کوریا میں یو ایس فورسز کوریا (USFK) کے سرکاری نام کے تحت 28,000 امریکی افواج کیوں قیام کیے ہوئے ہیں۔

آخر میں، دونوں کوریا سے آنے والی ابتدائی معلومات میں ڈیموکریٹک پیپلز ری پبلک آف کوریا نے دعویٰ کیا کہ 38th Parallel سے کچھ آگے، جو دونوں ریاستوں کو تقسیم کرتی ہے، ری پبلک آف کوریا کی شیلنگ کے جواب میں اس کی افواج نے فائرنگ کی تھی۔ سیول کی اعلیٰ فوجی کمانڈ پہلے ہی تصدیق کر چکی ہے کہ پیونگ یانگ کے ردِعمل سے کچھ لمحے قبل 38th Parallel سے ذرا آگے انہوں نے بلاشبہ توپوں کے گولے برسائے تھے۔ سو بنیادی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ری پبلک آف کوریا کی افواج نے ڈیموکریٹک پیپلز ری پبلک آف کوریا کے ساتھ اس فوجی تصادم کے لیے انہیں اُکسایا اور بھڑکایا، یہ جانتے ہوئے کہ اسی دورانیے میں یو ایس فورسز کوریا کے ساتھ جنگی مشقوں کا پروگرام طے تھا۔ مختصراً امریکی سامراجی افواج کی موجودگی ری پبلک آف کوریا کے لیے ڈیموکریٹک کوریا کو نتائج کے بارے میں سوچے بغیر دفاعی اقدامات اٹھانے پر اکسانے کی وجہ بنی۔

امریکہ کی چین اور روس کے ساتھ سامراجی مسابقت

امریکہ بے حد سنجیدگی سے چین اور روس دونوں کو فوری اور طویل مدتی سٹریٹجک خطرہ اور واشنگٹن کے غاصبانہ عالمی منصوبوں کے براہِ راست حریف سمجھتا ہے۔ واضح وجوہات کی بنا پر بیجنگ اور ماسکو بھی حقیقی عالمی طاقتوں کے طور پر، بشمول مزید ترقی اور اپنے اپنے فوجی صنعتی کمپلیکس میں مزید توسیع کے، ترقی و تحفظ کے لیے خود اپنے سٹریٹجک مفادات رکھتے ہیں۔ ان تمام تین عالمی طاقتوں کے لیے ایسے مقاصد کو حاصل کرنے اور برقرار رکھنے میں ایک بنیادی عنصر یا جزو ترکیبی بنیادی طور پر تیل اور توانائی کے دیگر اہم ذرائع ہیں۔ عالمی نظام میں اپنی مجموعی قیادت کو برقرار رکھنے کے لیے امریکی مختلف کاؤنٹر پوزیشنل طریق کار استعمال کرتے ہوئے دنیا کے بہت سے علاقوں میں سے ایک لمبے عرصے سے ان دونوں ممالک کا (بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں طرح سے) مقابلہ کرتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر، نومبر 2010ء میں APEC سمٹ میں اوباما نے طویل

عرصے سے متنازع دو جزیروں پر، جن پر بیجنگ اور ماسکو اپنے اپنے دعوے کرتے ہیں، چین اور روس کے خلاف ٹوکیو کے حق کے دعوؤں کی کھلے عام حمایت کی۔

جاپان جانے سے محض چند روز قبل اوباما نے انڈیا کا دورہ کیا اور چین اور روس کے مقابلے کے لیے امریکی قیادت میں اتحاد میں نیو دہلی کے شامل ہونے اور معاونت کی تجویز دینے کی صاف کوشش کی۔ انڈین پارلیمنٹ میں اپنی تقریر کے دوران امریکہ کے سامراجی رہنما نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا مستقبل رکن بنا کر انڈیا کو مستقبل کا ایک کردار تفویض کرنے کی تجویز دی۔ انڈیا ایک مدت سے اسے اقوامِ متحدہ کی ایک حقیقت بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے اور اب امریکہ کے خیال سے متفق ہے۔

ایران کے خلاف امریکہ کی سامراجی شرکت جنگ

یہ بات پہلے ہی ایک عالمگیر حقیقت بن چکی ہے کہ امریکہ، ایران کے تیل کو ذخائر کو اس کی نسبتاً بڑی کنزیومر مارکیٹ اور انتہائی ترقی یافتہ صنعتی اقتصادی بیس کے ہمراہ حریص نظر سے دیکھتا ہے۔ واشنگٹن، ایران کی قابل قدر جیوسٹریٹجک پوزیشن کو امریکی سامراجی مستقبل اور مغربی ایشیائی خطے میں وسیع تر علاقائی حملوں کے تناظر میں بھی دیکھتا ہے، جو اسرائیلی صیہونی ریاست کے اس متواتر بدلتے حالات والے مگر تیل سے مالا مال خطے میں امریکی پالیسی کے ساتھ مطابقت میں ادا کیے گئے کردار سے مشابہ ہے۔ اسی طرح یہ عالمی طور پر جانی بوجھی گئی حقیقت ہے کہ واشنگٹن مستقل طور پر اور تقریباً ایک نان سٹاپ طریقے سے سفارتی، سیاسی اور اقتصادی سطح پر جب بھی ایرانی نیوکلیئر معاملے پر کوئی موقع ملتا ہے، تہران پر حملہ کرتا ہے۔

دراصل امریکی سامراجیت کی ایران کے قومی معاملات میں مداخلت کی اُس وقت سے ایک طویل تاریخ ہے، جب سی آئی اے نے ایک کامیاب سازش (Project TRAJAX) میں اگست 1953 میں ایران کے جمہوری طور پر منتخب شدہ وزیراعظم محمد مصدق کا تختہ الٹ دیا تھا۔ 1970ء کے عشرے میں امریکی فوج مشیر ایران میں قیام کیے ہوئے تھے اور اپریل 1980ء میں اس نے امریکی سفارتی سٹاف اور عملے کو نکالنے کی کوشش میں ایک ناکام ریسکیو آپریشن کیا، جو ایرانی

انقلابی طلبا کے باعث تہران میں امریکی سفارت خانے میں پانچ مہینے سے پھنسے ہوئے تھے۔ 1979ء کے ایرانی انقلاب کے بعد سے واشنگٹن کے تہران کے خلاف بے حد مشتہر شدہ زبانی حملوں میں بہت سے امریکی سینئر حکام کی جانب سے ایران کے خلاف امریکی کھلی جنگ سے قبل تیار ہراول کے طور پر اسرائیل کو استعمال کرتے ہوئے ایک پیش بینی کے طور پر ممکنہ حملے کے ساتھ ایران کے خلاف قریب الوقوع فوجی حملوں کے انتباہ پر اشتعال اور معاملے کی شدت میں اضافہ ہوا ہے۔

متوقع طور پر امریکی فوجی دستوں اور امریکی سرحدوں کے ساتھ (ترکی، عراق، پاکستان اور افغانستان) اور قدرے دُور (کویت، بحرین، قطر، اومان، یمن اور اُردن) میں افواج اور فوجی چوکیوں کی حالیہ موجودگی سے ایران اس وقت امریکی فوجی دستوں کے گھیرے میں ہے، جو اس کے شمالی، مغربی اور مشرقی سرحدی علاقوں سے ایران میں داخل ہونے کے لیے تیار حالت میں ہیں، اگر انہیں واشنگٹن سے ایسا کرنے کا حکم ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران فوجی طور پر ہمیشہ چوکس رہتا ہے اور اسے ایسا کرتے تین سے زائد عشرے ہو چکے ہیں۔

ایران کے اعلیٰ فوجی اور سیاسی رہنماؤں نے 2010ء میں بین الاقوامی میڈیا کے سامنے انکشاف کیا ہے کہ اس کے نیوکلیئر پروگرام کے خلاف Stuxnet سائبر ورم حملوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جس سے 2010ء کے آغاز میں کمپیوٹرز میں مسئلے ہوئے۔ صرف ایک ہفتے میں، ایک اعلیٰ عہدے کے ایرانی ایئر ڈیفنس جنرل نے توثیق کی کہ ایرانی فوجی جہازوں نے چھے مختلف مواقع پر ایران کی مشرقی سرحدوں پر غیر شناخت شدہ ڈرون طیاروں کے خلاف مزاحمت کی اور انہیں بزور واپس بھیجا۔

تاحال واشنگٹن کی ''وائٹ'' آپریشنل افواج نے ایران پر حملہ نہیں کیا لیکن پہلے ہی ایسی عوامی دستاویزات موجود ہیں جن میں ایران کے اندر پچھلے عشروں میں امریکہ کے جاری "Black Reconnaissance" آپریشنز کے متعلق رپورٹ کی جا رہی ہے۔ ان کا بنیادی مشن؟ ایران پر امریکہ کے مستقبل کے فوجی حملے کی تیاری کے لیے قابلِ قدر تدبیری اور تزویراتی انٹیلی جینس معلومات کو جمع کرنا اور پہلے سے منصوبہ شدہ سامراجی حملوں سے قبل قتل، بمباری اور دیگر تخریب کاری آپریشنز کے لیے اہداف کو پہلے سے نشان زد کرنا۔ لہٰذا اب یہ صرف وقت کا معاملہ

ہے کہ امریکہ، ایران کو سدھارنے کے لیے اپنی فوجی طاقت کا استعمال کرتا ہے، جیسا کہ اس نے تقریباً نصف صدی قبل کیا تھا۔

واشنگٹن کی عراق میں جنگ اور افغانستان کی چوکیوں سے پاکستان میں غیر اعلان شدہ جنگ کی توسیع

20 جنوری 2009ء کو وائٹ ہاؤس میں قدم رکھتے ہوئے صدر اوباما نے 31 اگست 2010ء تک عراق میں امریکی جنگی آپریشنوں کے خاتمے اور امریکی افواج واپس بلانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن 2010ء میں بھی عراق میں 49,000 امریکی افواج موجود ہیں جب کہ وہ جو یہاں سے نکالے گئے، انہیں بھی محض ایک دوسرے سامراجی جنگی محاذ افغانستان میں طالبان کے خلاف افغانستان میں واشنگٹن کی فوجی مداخلت کو شدت دینے کی غرض سے نئی فوج کے طور پر منتقل کیا گیا۔ 7 اکتوبر 2001، کو افغانستان میں امریکی سامراجی حملے، جس نے بالآخر کابل سے طالبان کے ساتھ اسامہ بن لادن کو بھی نکال باہر کیا، کے وقت سے امریکہ 1960ء کی دہائی میں ویت نام میں اپنی سامراجی خوں ریز درگت کی تقریباً مثال دیتے ہوئے ایک خوں ریز دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔

آج بلاشبہ افغانستان میں امریکی فوجی دلدل کا وقت ویت نام میں ان کے فوجی دستوں کی موجودگی کے دورانیے سے تجاوز کر چکا ہے (8 مارچ 1965ء سے 29 مارچ 1973ء تک)۔ ویت نام میں کیے جانے والے آپریشنوں کی طرح جہاں امریکی افواج اور بلیک جاسوسی یا "Black Reconnaissance" یونٹ نارتھ ویت نامیز آرمی (NVA) کے ریگولر فوجیوں کے خلاف لڑنے کے لیے لاؤس اور کمبوڈیا میں خفیہ طور پر داخل ہوئے تھے، آج امریکہ کی "Black Reconnaissance" ٹیمیں اور ڈرون طیارے پاکستان کے اندر خفیہ اور غیر اعلان شدہ جنگ لڑ رہے ہیں۔ یقیناً افغانستان اور پاکستان دونوں میں امریکی سامراجی فوجی دستوں کی موجودگی کا مقصد طویل مدت میں ان دونوں ممالک میں ابھی تک استعمال نہ کیے جانے والے تیل اور گیس کے ذخائر پر قبضہ کرنا اور اسی دوران ایران کے اندر مستقبل کے فوجی آپریشنوں کے لیے اس علاقے کو ایک فوجی چوکی کے طور پر استعمال کرنا ہے۔

امریکی فارورڈ فورس کی پروجیکشن استعداد میں توسیع اور اضافہ

امریکہ اپنی فارورڈ فورس کی پروجیکشن استعداد میں اضافے کے لیے بے انتہا سنجیدہ ہے تا کہ وہ فوجی طاقت کو استعمال میں لاتے ہوئے دنیا میں کہیں بھی مداخلت کر سکے۔ دنیا کی سرکردہ سامراجی طاقت کے طور پر امریکہ کو اپنی استعداد میں مسلسل اضافے اور توسیع کی ضرورت ہے تا کہ اس کے خارجہ پالیسی کے سٹریٹجک مفادات کو جب اور جہاں کہیں خطرہ ہو، وہ ان کا تحفظ کر سکے۔ کورین جزیرہ نما کی جانب جانے والے یو ایس ایس جارج واشنگٹن اور کیریئر سٹرائیک گروپ فائیو کا بھی یہی مقصد تھا۔ اسی طرح واشنگٹن نے صرف تین سال قبل کیریبین، مرکزی اور جنوبی امریکہ میں اپنی امریکی پاور پروجیکشن کی یقین دہانی کے لیے اپنے نیوی کے فورتھ فلیٹ (فلوریڈا میں بیس کرنے والے) کوری ایکٹویٹ یا دوبارہ سرگرم کیا اور دُور فاصلے پر خلیج فارس کے علاقے میں مغربی ایشیا اور شمال مشرقی افریقہ بشمول عراق، افغانستان، پاکستان اور یقیناً ایران میں بھی امریکی سامراجی فورس پروجیکشن کی گارنٹی کے لیے اب یو ایس نیوی کے ففتھ فلیٹ کا ہیڈ کوارٹر بحرین ہے۔ افریقہ کے لیے یو ایس افریقہ کمانڈ (AFRICOM) کو اکتوبر 2007ء میں شروع کیا گیا اور اب اس کے سوائے مصر کے 53 افریقی ممالک سے معاہدے ہیں۔

یورپ میں امریکی افواج نیٹو کے متعین کردہ یونٹوں کے ذریعے پہلے ہی مقیم ہیں۔ امریکہ اب ایشیائی خطے پر اپنی بھرپور توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے اور وہ دنیا کے اس حصے میں اپنی کہیں زیادہ طاقت ور فوجی موجودگی تشکیل دینے کی خواہش رکھتا ہے۔ اب جاپان اور جنوبی کوریا کے علاوہ امریکی سامراجی افواج نے حال ہی میں دوسرے ایشیائی اور بحرالکاہل کے ممالک میں "Status of Forces" اور/ یا متعلقہ حکومتوں کے ساتھ ''باہمی لاجسٹک سپورٹ'' قسم کے دوطرفہ فوجی معاہدوں کے ذریعے آپریشنوں کا آغاز کر دیا ہے۔ امریکی افواج اب آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، انڈیا، منگولیا، انڈونیشیا، ملائیشیا، سنگاپور، تھائی لینڈ، ویت نام، کمبوڈیا، پاپوانیوگنی، مشرقی تی مور، ٹونگا اور ایک بار پھر فلپائن میں 1999ء سے ان کی افواج کے ساتھ مشترکہ فوجی آپریشنز کر رہی ہیں۔

مزید برآں، اپنی عالمی دفاعی حالت کی مکمل گارنٹی کے لیے اوباما نے لزبن میں ہونے والے نیٹو سمٹ کے دوران نام نہاد ''نیٹو میزائل شیلڈ'' کے فوری قیام پر زور دیا۔ اس میزائل شیلڈ کا

مقصد روس یا حتیٰ کہ ایران کی جانب سے کسی بھی ممکنہ میزائل حملوں کے خلاف یورپ اور امریکہ کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔

چین کے خلاف آسیان کو نامزد کرنے یا ساتھ لینے کی کوششیں

چین کے ساتھ اپنے بڑھتے ہوئے تصادم میں مشرقی ایشیا میں بیجنگ کی اپنی پاور پروجیکشن کے خلاف علاقائی جوابی توازن قائم کرنے کے لیے امریکہ نے حال ہی میں آسیان کی جانب رخ کیا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ نے آسیان کی جانب ایک نیا اور مستقل مشن متعین کیا ہے اور 2009ء سے اب تک کئی مشترکہ آسیان امریکہ رہنما ملاقاتوں کا انعقاد کر چکا ہے۔ امریکہ متعدد مواقع پر اعلان کر چکا ہے کہ وہ سپارٹلی جزائر کے معاملے کو ایک فوری اور مشترکہ علاقائی ایشو کے طور پر حل کرنے کے لیے چین کے ساتھ کثیر طرفی اپروچ میں آسیان کے مطالبوں کی حمایت کرتا ہے۔ امریکہ کے سامراجی عوامی موقف نے بیجنگ کو صرف ہی مشتعل کیا اور غیر ضروری طور پر امریکہ چین تعلقات میں مزید دباؤ کا اضافہ کر دیا ہے، جس نے بدلے میں صرف علاقائی تناؤ میں اضافہ کیا ہے۔

ایک ''عالمی بغاوت'' کے خلاف ''بلیک جاسوسی آپریشنز''

1945ء سے اب تک چھے سے زائد عشروں میں امریکی سامراجیت یا استعمار بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر حکومتوں کی تمام قسم کی ناجائز اور غیر قانونی تبدیلیوں میں ملوث رہی ہے، بشمول ایسی کوششوں کے۔ ایک بھرپور تحقیق کے بعد تحریر شدہ کتاب میں ایسے کم سے کم 60 کیسز کو تحریر کیا گیا ہے جن میں امریکی خفیہ سروسز ملوث ہیں (مثلاً سی آئی اے اور ڈی آئی اے) جو کئی دوسرے غلط ذرائع کے علاوہ انتخابی دھوکا دہی سمیت قتلوں، بمباری، تخریب کاری اور دہشت گردی جیسے طریقوں کو اختیار کرتی ہیں۔

جب کبھی سامراجی مرکز ایک کمزور یا محتاج ملک کو مزید استعمال اور ناجائز طور پر استعمال نہیں کر سکتا تو پھر واشنگٹن اپنی اہداف ریاست کی قومی سیاسی قیادت میں ضروری تبدیلی کے لیے پہلے کھلے (یا وائٹ) اقدامات اختیار کرنے (سفارتی، سیاسی، اقتصادی، فوجی وغیرہ) کی کوشش

کرے گا۔ تاہم، جب واشنگٹن اپنے ''وائٹ'' یا علانیہ اقدامات کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتا تو پھر یہ "Black Reconnaissance" یعنی بلیک جاسوسی کے اقدامات اپنے متصور کردہ اور پہچانے گئے دشمن اہداف یا اپنے عالمی سٹریٹجک مفادات کو لاحق خطروں کے خلاف استعمال کرنے یا ان کا آغاز کرنے سے ہرگز نہیں ہچکچاتا۔ بلیک جاسوسی کے یہ اقدامات بنیادی طور پر تاریکی میں چھپے ہوتے ہیں اور عوام سے خفیہ اور پوشیدہ رکھے جاتے ہیں۔ یہ تقریباً ہمیشہ غیر قانونی ہوتے ہیں اور تسلیم شدہ بین الاقوامی اصولوں اور قاعدوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں، جن کی بجا آوری آفاقی طور پر بین الاقوامی کمیونٹی پر فرض ہے۔

اس لیے اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ امریکہ کے کئی محترم صحافیوں نے حال ہی میں قائم شدہ وفاقی قانونی حکومت کے چینلوں سے باہر بلیک جاسوسی کے اقدامات کو آغاز اور آپریٹ کرنے کے امریکی حکومت کے نئے اور خفیہ پروگرام کی رپورٹ کی ہے، تاہم وائٹ ہاؤس کی اجازت کے ساتھ پینٹاگون کے اندر غیر شناخت شدہ حکام کو رپورٹ کی۔

درحقیقت بہت سے Black Reconnaissance آپریشنز بعض وجوہات کی بنا پر خود سی آئی اے ڈائریکٹر سے بھی خفیہ رکھے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، 2005ء میں نیویارکر میں شائع ہونے والی بعض رپورٹوں کے مطابق بلیک جاسوسی کے ایکشن یونٹوں نے مستقبل کی امریکی حمایت یافتہ ایرانی حکومت سے متعلق واشنگٹن کے سامراجی عزائم کے ساتھ مطابقت میں ایران پر امریکہ کے متوقع حملے کی تیاریوں کے طور پر ایران میں اپنے خفیہ آپریشنوں پر عمل درآمد کا پہلے ہی آغاز کر دیا ہے (اور وہ یہ عمل درآمد جاری رکھیں گے)۔

چونکہ یہ رپورٹیں ابتدائی طور پر صرف چار سال قبل آئی ہیں، اس لیے ہمیں اس امکان کو رد نہیں کرنا چاہیے کہ ایسے یونٹ لاطینی امریکہ، خصوصاً وینزویلا، بولیویا، ایکواڈور اور ہنڈروس میں آپریشنل رہے ہیں۔ پچھلے چند سالوں میں ان ممالک کی بائیں بازو کی حکومتوں کو واشنگٹن پہلے کھلے عام (سفارتی حملوں سے) پھر تختہ الٹنے کی کوششوں کے سلسلے (وینزویلا، ہنڈروس اور ایکواڈور) اور پھر دائیں بازو کی قیادت میں بڑے پیمانے پر موبلائزیشن (بولیویا اور وینزویلا) کے ذریعے سے ہدف بناتا رہا ہے، جو سب کی سب ناکام ہوئیں۔

غالباً ہم فرض کر سکتے ہیں کہ دیگر امریکی بلیک جاسوسی آپریشنوں پر ابھی تک دوسرے ممالک میں کام کیا جارہا ہے، جو ابھی بھی نمایاں طور پر منظم سامراج مخالف اور انقلابی سوشلسٹ تحریکیں رکھتے ہیں، جیسا کہ فلپائن۔

نتیجہ

اختتام کرتے ہوئے میں اب یہی بیان کروں گا کہ اوپر متذکرہ نکات آج امریکی سامراجی جارحیت سے متعلق عمومی تمہید کی توثیق کرتے ہیں۔ اس لیے ہمارے پاس دنیا بھر میں امریکی سامراجیت کے خلاف اپنی مجموعی اور متحدہ بڑے پیمانے پر جدوجہد کو شدت دینے اور اس کی رفتار تیز کرنے کے سوا کوئی انتخاب نہیں، یہاں تک کہ پرولتاری عوام سامراجی غلبے کے ان ممالک میں سرمایہ دارانہ استحصال اور جبر کی بیڑیوں سے آزاد ہو جائیں۔ صرف سوشلزم ہی ہم سب کو آزاد کروا سکتا ہے اور سامراجیت کی حتمی تباہی و بربادی سے کم کچھ بھی ہماری تحریک کے انقلابی عہد کو مطمئن نہیں کر سکتا!

سامراجیت: بینکار، منشیات کی جنگیں اور نسل کُشی

جیمز پیٹراس

مئی 2011ء میں میکسیکو میں ایک اور خفیہ اجتماعی قبر کا انکشاف ہوا، جس میں درجنوں ہاتھ پاؤں کٹی لاشیں برآمد ہوئیں۔ اس طرح کالڈرون حکومت کے ''منشیات کے تاجروں کے خلاف جنگ'' کے اعلان کے بعد اب تک مارے جانے والے افراد کی تعداد 40,000 سے تجاوز کر چکی ہے۔

اپنے شیروں، ہتھیاروں اور ایجنٹوں کے ذریعے پشت پناہی مہیا کرتے ہوئے وائٹ ہاؤس اس جنگ کو فروغ دینے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے جس کے نتیجے میں میکسیکو کی آبادی اور معیشت کا ایک بڑا حصہ تباہ ہو چکا ہے جب کہ واشنگٹن منشیات کے خلاف حکومت کی اس جنگ میں ایک محرک قوت کا کردار ادا کر رہا ہے۔ وال سٹریٹ کے بینک منشیات کے کاروبار میں شریک ان ''متحدہ گروہوں'' کے منافع جات کو تحفظ فراہم کرنے کا اہم ذریعہ ہیں۔ امریکہ کا ہر بڑا بینک گزشتہ عشرے سے منشیات سے حاصل ہونے والے خطیر منافع جات کے سینکڑوں بلین ڈالر کے کالے دھن کو سفید دھن میں تبدیل کرنے میں برابر کا شریک کار ہے۔

میکسیکو کو اس جہنم میں دھکیلنے میں امریکہ کے مالیاتی اور سیاسی ادارے پوری طرح سے ملوث ہیں جو میکسیکو میں جاری اس خونی جنگ میں کسی نہ کسی طرح ایک فریق کو تعاون مہیا کر رہے ہیں۔ یہ جنگ میکسیکو میں ہر جگہ اور ہر لحہ لڑی جا رہی ہے جس میں کسی بھی شخص کو بخشا نہیں جا رہا۔ اس دوران پینٹاگون، میکسیکو کی حکومت کو اسلحہ مہیا کر رہا ہے اور امریکہ کی ''ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی'' اس مسئلے کا ''فوجی حل'' ٹھونس رہی ہے۔ امریکہ کے تمام بڑے بڑے بینک منشیات سے

حاصل ہونے والے سینکڑوں بلین ڈالر وصول کر کے انہیں سفید دھن میں تبدیل کر کے منشیات کے ان بے تاج بادشاہوں کے کھاتوں میں منتقل کر رہے ہیں، جو اس دولت سے جدید ترین اسلحہ خرید رہے ہیں، قاتلوں کی نجی افواج بھرتی کر رہے ہیں اور سرحد کی دونوں جانب بے شمار سیاسی اور قانون نافذ کرنے والے بااختیار افراد کو رشوتیں دیتے ہیں۔

میکسیکو کا جہنم میں اترنا

ہر روز اگر سینکڑوں نہیں تو بیسیوں لاشیں، گلی کوچوں اور بے نشان قبروں سے مل رہی ہیں۔ درجنوں افراد کو ان کے گھروں میں، ان کی کاروں میں، ویگنوں اور بسوں میں سفر کرتے ہوئے اور دفاتر میں قتل کر دیا جاتا ہے۔ سینکڑوں معصوم اور نامعلوم افراد کو اغوا اور غائب کر دیا جاتا ہے۔ سکول کے بچے، والدین، اساتذہ، ڈاکٹروں اور کاروباری اشخاص کو دن دیہاڑے اٹھا لیا جاتا ہے اور تاوان کے لیے حبس بے جا میں رکھا جاتا ہے یا بدلے میں موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ سینکڑوں تارکین وطن، کارکنوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے، لوٹ لیا جاتا ہے، تاوان طلب کیا جاتا ہے یا قتل کر دیا جاتا ہے۔ ایسی شہادتیں بھی ملی ہیں کہ انسانی اعضا کو غیر قانونی تجارت کے لیے بیچ دیا جاتا ہے۔ پولیس اپنے تھانوں کی چار دیواری میں محدود ہو کر رہ گئی ہے، فوج اگر کبھی آتی ہے تو وہ عام شہریوں پر اپنا غصہ نکالتی ہے اور منشیات کے کاروبار میں شریک مسلح قاتلوں کے بجائے زیادہ شریف شہریوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بناتی ہے۔ عوام موت کے سائے میں زندگیاں بسر کر رہے ہیں جنہیں بہ ظاہر کہیں بھی امان میسر نہیں۔ مسلح گینگ اور گشتی فوجی دستے بغیر کسی سزا کے خوف کے بے دھڑک گولیاں برساتے اور عام شہریوں کو قتل کرتے رہتے ہیں۔ لوگ خوف اور دہشت میں زندگیاں گزار رہے ہیں۔

آزاد تجارت کا معاہدہ: وہ شعلے جنہوں نے اس جہنم کو بھڑکایا

1980ء کے عشرے میں میکسیکو بحران کا شکار تھا، لیکن عوام نے اس سے نکلنے کے لیے قانونی راستے کا انتخاب کیا۔ انہوں نے کوٹیموک کارڈنیاس نامی ایک شخص کو صدر منتخب کیا جس نے

زرعی اور صنعتی معیشت کو فروغ دینے کا قومی پروگرام پیش کیا تھا۔ لیکن میکسیکو کے طبقۂ اشرافیہ نے، جس کی قیادت ''انسٹی ٹیوشنل ریوولوشنری پارٹی (پی آر آئی) کے کارلوس سالیناس کے ہاتھوں میں تھی، دوسرے راستے کا انتخاب کیا۔ انہوں نے انتخابی نتائج کو تبدیل دیا، عوام کو اُن کے انتخابی حق سے محروم کر دیا اور اُن کے پرامن احتجاج کو نظر انداز کر دیا گیا۔ سالیناس اور اس کے بعد آنے والے صدور نے امریکہ اور کینیڈا کے ساتھ ایک آزاد تجارت کے معاہدے (NAFTA) پر پوری شدومد کے ساتھ عمل درآمد کیا جس کے نتیجے میں میکسیکو کے لاکھوں کاشتکار، مویشی پالنے والے اور چھوٹے کاروباری افراد تیزی سے دیوالیہ ہونے لگے۔ اس تباہی کے نتیجے میں لاکھوں تارکین وطن کارکن ملک چھوڑ گئے۔ قانونی معاشی سرگرمیاں، منشیات اور لوگوں کی سمگلنگ کرنے والوں کی روز افزوں دولت کے سامنے ماند پڑنے لگیں۔ منشیات کے تاجروں نے پرکشش تنخواہوں پر اپنے نجی مسلح دستے بھرتی کرنے شروع کر دیئے۔ مقامی دولت مند افراد نے منشیات کی تجارت کے لیے طاقتور علاقائی گروہ قائم کر لیے۔

نئے میلینیم میں عوامی تحریکوں اور ایک نئی انتخابی امید نے جنم لیا۔ 2006ء میں ایک وسیع پرامن انتخابی تحریک نے لاکھوں بددل اور مایوس نوجوانوں کو متحد کرنے کے لیے معقول سماجی اور معاشی اصلاحات کا وعدہ کیا۔ متوازی دہشت میں ان لاکھوں کارکنوں اور کسانوں کی غربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منشیات کی تجارت میں ملوث گروہ پھلنے اور پھولنے لگے تھے، جن کو میکسیکو کے طبقہ اشرافیہ نے کونے میں لگا رکھا تھا۔ طبقہ اشرافیہ قومی خزانے میں گھپلوں، غیر منقولہ جائیدادوں میں سٹہ بازی، تیل کی صنعت میں لوٹ مار کے ذریعے دولت بنانے میں مصروف تھا اور اس نے مواصلات اور بینکاری کے شعبے میں نجی اجارہ داریاں قائم کر رکھی تھیں۔

2006ء میں ایک مرتبہ پھر میکسیکو میں لاکھوں رائے دہندگان کو ان کی انتخابی فتح سے محروم کر دیا گیا۔ اس طرح پرامن تبدیلی کی آخری امید بھی دم توڑ گئی۔ امریکی انتظامیہ کی پشت پناہی میں فلپی کارلڈرون نے انتخابات کے نتائج کو مسخ کرتے ہوئے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور واشنگٹن سے ملنے والی ہدایات کے مطابق منشیات کے سمگلروں کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا۔

جنگی حکمت عملی سے منشیات کی جنگ میں شدت

منشیات کے کاروبار میں ملوث متحدہ گروہوں کے خلاف جنگ نے، جس کا آغاز دھوکا دہی سے منتخب ہونے والے صدر کارلڈرون نے بش انتظامیہ کی ایما پر کیا تھا اور بعد میں جسے کلنٹن اور اوباما حکومتوں کی پرزور حمایت حاصل رہی، میکسیکو میں مردم کشی اور تشدد میں مزید اضافہ کیا۔ میکسیکو کے 40,000 سے زائد فوجی گلیوں، شہروں اور دیہاتی علاقوں میں دندناتے ہوئے پھرنے لگے اور عام شہریوں خصوصاً نوجوانوں کو اپنے ظلم و بربریت کا نشانہ بنانے لگے۔ منشیات کے کاروبار میں ملوث متحدہ گروہوں نے پولیس پر پرتشدد جوابی حملوں کا آغاز کر دیا۔ جنگ تمام بڑے شہروں، شاہراہوں اور دیہاتی علاقوں میں پھیل گئی۔ قتل و غارت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور میکسیکو اس جہنم میں مزید دھنستا چلا گیا۔ اس دوران اوباما حکومت نے سرحد کے دونوں جانب مسئلے کے فوجی حل کی بھرپور حمایت کی۔ 5,00,000 سے زائد میکسیکو کے تارکین وطن کو پکڑ کر امریکہ سے نکال دیا گیا اور مسلح سرحدی گشتی دستوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ میکسیکو میں تیار کی جانے والی اشیاء اور زرعی پیداوار کی امریکہ برآمد میں مزید کمی آ گئی جس کے نتیجے میں بے روزگاری میں اضافہ ہوا اور منشیات کے کاروبار میں ملوث گروہوں کے لیے مسلح افراد کی بھرتی کے لیے میدان مزید وسیع ہو گیا۔ وائٹ ہاؤس کی بندوقوں اور منشیات کی پالیسی نے دونوں جانب جاری قتل و غارت کے جنونی چکر کو مزید ہوا دی۔ امریکی حکومت نے کارلڈرون حکومت کو مزید اسلحہ فراہم کیا اور امریکی اسلحہ سازوں نے منشیات کے ان گروہوں کے ہاتھوں قانونی اور زیرِ زمین دونوں طریقوں سے اسلحہ فروخت کرنا شروع کر دیا۔ میکسیکو میں تشدد کی بڑھتی ہوئی لہر اور معاشرتی انتشار کے پس پردہ کارفرما بنیادی قوتیں اسلحہ اور منشیات کی سمگلنگ سے حاصل ہونے والے یہی خطیر منافعے ہیں۔

منشیات سے حاصل ہونے والے خطیر منافع جات کو امریکی بینکنگ نظام کے ذریعے سفید دھن میں تبدیل کروایا جاتا ہے۔ امریکہ کے نجی بینکاری نظام میں بینکوں اور منشیات کے سمگلروں کی ملی بھگت سے طے پانے والے کروڑوں ڈالروں کے معاملات کسی بھی دوسری معاشی سرگرمی سے حاصل ہونے والی رقوم سے کئی گنا بڑے ہیں۔ امریکہ کے محکمہ انصاف کے ریکارڈ کے مطابق صرف ایک بینک ''وچوویا بینک'' (جو اس وقت ویلز فارگو کی ملکیت ہے) نے یکم مئی 2004ء

سے 30 مئی 2007ء کے دوران 378.3 ارب ڈالر کے کالے دھن کو سفید دھن میں تبدیل کیا۔ امریکہ کا ہر بڑا بینک منشیات کے کاروبار میں ملوث ان قاتل گروہوں کے ساتھ شراکت میں کاروبار کر رہا ہے جن میں بینک آف امریکہ، سٹی بینک اور جے پی مورگن کے علاوہ نیویارک، میامی، لاس اینجلس کے ساتھ لندن سے بھی سمندر پار کام کرنے والے بینک بھی شامل ہیں۔

جہاں وائٹ ہاؤس، میکسیکو ریاست اور فوج کو منشیات کے کاروبار میں ملوث میکسیکو کے باشندوں کو مارنے کے لیے رقوم ادا کرتا ہے، وہیں امریکہ کا ''محکمہ انصاف'' منشیات کی اس قاتلانہ تجارت میں شریکِ جرم امریکی مالیاتی اداروں کو قدرے نرم سزائیں سناتا ہے۔ ''وچوویا بینک'' اپنے افسروں کو جیلوں میں جانے سے بچالیتا ہے۔

کالے دھن کو سفید کرنے کے جرم کی تحقیق کرنے والی امریکی ٹریژری کی بڑی ایجنسی، انڈر سیکریٹری برائے دہشت گردی اور فنانشل انٹیلی جینس جان بوجھ کر امریکی بینکوں اور منشیات کے دہشت گردوں کی ملی بھگت کو نظر انداز کیے رکھتی ہے اور اپنے سارے سٹاف اور وسائل کو ایران کے خلاف پابندیاں لگانے پر مرکوز کیے ہوئے ہے۔ سات سال سے دہشت گردی اور فنانشل انٹیلی جینس ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ کے طور پر ٹریژری انڈر سیکریٹری سٹورٹ لیوی اپنے تمام تر اختیارات کو ''وچوویا بینک'' کی منشیات کے سمگلروں کے دھن کو سفید کرنے کی کارروائیوں کے خلاف استعمال کرنے کی بجائے اسرائیل کے ایما پر ایران کے خلاف دہشت گردی کی جنگ کو ہوا دینے میں استعمال کر رہا ہے۔ اس دوران میکسیکو کے اندازاً 40,000 عام شہری، فوج اور منشیات کا کاروبار کرنے والے گروہوں کی مسلح محافظوں کے ہاتھوں زندگی سے محروم کیے جا چکے ہیں۔

اگر امریکہ اپنے اسلحے اور مالیاتی اداروں کے ذریعے میکسیکو کی غیر قانونی حکومتوں اور منشیات کا کاروبار کرنے والے گروہوں کی پشت پناہی بند کر دے تو نہ صرف ''منشیات کی جنگ'' بلکہ عوامی قتل و غارت اور ریاستی دہشت گردی کا بھی خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اگر امریکہ محض اپنی سبسڈائزڈ سستی زرعی پیداوار کو میکسیکو میں داخل ہونے سے روک دے اور امریکہ میں کوکین کے استعمال اور خرید پر سے پابندی اٹھالے تو منشیات کا کاروبار کرنے والے گروہوں کے لیے دیوالیہ شدہ کسانوں میں سے مسلح محافظوں کی سپلائی بند ہو جائے گی اور غیر قانونی منشیات کے کاروبار سے

حاصل ہونے والے منافع جات اور اس کی طلب میں خود بخود کمی آ جائے گی۔

منشیات کے تاجر، امریکی بینک اور وائٹ ہاؤس

امریکہ کے بڑے بڑے بینک وہ مالیاتی انجن ہیں جو اربوں ڈالروں پر مشتمل منشیات کی ان سلطنتوں کو چلا رہے ہیں جب کہ وائٹ ہاؤس، امریکی کانگرس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ان بینکوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ منشیات کے کاروبار سے حاصل ہونے والے اربوں ڈالروں کے کالے دھن کو سفید دھن میں تبدیل کرنے کے واضح اور بین ثبوتوں کے باوجود ''عدالتی فیصلوں'' میں آج تک کسی بھی بینکار کو قید کی سزا نہیں دی گئی۔ ان میں سے ایک بینک (ویلز فارگو کی ملکیت وچوویا بینک) کو عدالتی فیصلے میں 5 کروڑ ڈالر کا جرمانہ کیا گیا ہے جو 2009ء میں اسے حاصل ہونے والے 1 کروڑ 23 لاکھ ڈالر کے منافع کا 0.5 فیصد بنتا ہے۔ میکسیکو کے ہزاروں عام شہریوں کی موت کے باوجود امریکی ایگزیکٹو برانچ نے ڈی اے اے، فیڈرل پراسیکیوٹرز اور ججوں کو وچوویا بینک کو منشیات کا کاروبار کرنے والے گروہوں کو مہیا کی جانے والی ان غیر قانونی خدمات پر یہ مضحکہ خیز سزا دینے کی ہدایت کی تھی۔ بش اور اوباما حکومتوں کے اہم ترین معاشی عہدیدار جن میں سمرز، پاؤلسن، گیتھنر، گرین سپان، برناک ایٹ ایل شامل ہیں ایک لمبے عرصے سے ان مالیاتی اداروں اور بینکوں کے حصہ دار، مشیر اور ممبر ہیں جو منشیات کے اربوں ڈالر کے منافع جات کو سفید دھن میں تبدیل کرنے میں ملوث ہیں۔

منشیات کی رقم کو سفید دھن میں تبدیل کرنا وال سٹریٹ کے منافع جات کے انتہائی پرکشش ذرائع ہیں۔ منشیات کے منافع جات کو منتقل کرنے کے لیے بینک بھاری کمیشن وصول کرتے ہیں، جو بعد میں وہ قرضہ حاصل کرنے والے اداروں کو اُس سے کئی گنا زیادہ شرح سود پر دے دیتے ہیں، جتنا وہ منشیات کے تاجروں کو ان کی جمع شدہ رقوم پر ادا کرتے ہیں، اگر وہ ان کو کچھ ادائیگی کرتے ہیں۔ منشیات سے حاصل ہونے والے ان خطیر منافعوں کے حامل مالیاتی دنیا کے یہ امریکی ''دیو'' اس نظام کو قائم رکھنے کے لیے آسانی سے اپنے منتخب عہدیداروں کو خرید سکتے ہیں۔

2011ء کی مالیاتی تباہی میں خاص طور پر اس کے ابتدائی چند نازک ہفتوں کے دوران

منشیات سے ہونے والی دولت کا کردار بہت اہم ہے۔ اقوامِ متحدہ کے منشیات اور جرائم کے شعبے کے سربراہ انٹونیو ماریا کوسٹا کے مطابق، ''اس وقت واحد نقد سرمایہ منشیات کی دولت ہے..... 2008ء کے دوسرے نصف میں مبدل بہ زر نقد اثاثے بینک نظام کا بڑا مسئلہ تھے، لہٰذا نقد سرمایہ ایک اہم عنصر کی صورت اختیار کر گیا..... بینکوں کے مابین قرضہ جات کی ادائیگی کے لیے منشیات اور دوسری غیر قانونی سرگرمیوں سے حاصل ہونے والی رقوم سے فنڈز مہیا کیے گئے..... اس بات کے اشارے ملتے ہیں کہ کچھ بینکوں کو اس طریقے سے بچا لیا گیا تھا۔'' ("Reuters" 25 جنوری 2009ء، امریکی ایڈیشن)۔ منشیات کے ارب پتیوں کی جانب سے سرمائے کے بہاؤ نے وچوویا بینک اور دوسرے اہم بینکوں کو قائم رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ چند لفظوں میں ہم اسے یوں بیان کر سکتے ہیں: ''منشیات کے ارب پتیوں نے سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام کو زمین بوس ہونے سے بچا لیا۔''

اکیسویں صدی کے پہلے عشرے کے اختتام پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کم از کم شمالی امریکہ کی حد تک، سرمائے کے ارتکاز کا انحصار مالیاتی سرمائے پر ہے اور مالیاتی سرمائے کا انحصار کئی سو ارب ڈالر کی منشیات کی تجارت سے حاصل ہونے والے منافع جات پر ہے۔ یہ سارا سلسلہ منشیات کے منافع جات پر لڑی جانے والی جنگ میں کارفرما ہے۔ شدید بحرانوں کے اوقات میں امریکی مالیاتی نظام اور اس کے ذریعے عالمی بینکنگ نظام کی بنیادی بقا ہی منشیات کی صنعت کی نقد پذیری پر ہے۔

بادی النظر میں میکسیکو اور وسطی امریکہ کے معاشروں کی تباہی، جو دس کروڑ سے زائد آبادی پر مشتمل ہیں، منشیات کا کاروبار کرنے والے گروہوں اور علاقے کی سیاسی حکومتوں کے درمیان تصادم کا نتیجہ نظر آتی ہے۔ اگر قدرے گہرا مشاہدہ کریں تو ان کا اشتراک کار ایک ضارب کے طور پر کام کرتا یا ارتعاشی اثر پیدا کرتا ہے۔ منشیات کا کاروبار کرنے والے گروہ اپنے منافع جات کو نقدی میں تبدیل کرنے کے لیے امریکہ کے بینکوں کی مدد حاصل کرتے ہیں، وہ اپنی سپلائی، نقل و حمل اور منڈیوں کے تحفظ کے لیے امریکہ کی اسلحہ کی صنعت اور دوسرے شعبوں میں سینکڑوں ملین ڈالر خرچ کرتے ہیں وہ اپنی نجی فوجوں کے اور سویلین نیٹ ورکس کے قیام کے لیے ہزارہا

افراد کو بھرتی کرتے ہیں اور سرحد کی دونوں جانب سیاسی اور فوجی عہدیداروں کی رضامندی خریدتے ہیں۔

میکسیکو کی حکومت اس جنگ کو جاری رکھنے میں، جس نے میکسیکو کے باشندوں کی زندگیوں، جائیدادوں اور تحفظ کو خطرے میں ڈال رکھا ہے، امریکی پینٹاگون، فیڈرل پولیس، ہوم لینڈ سیکیورٹی، ڈرگ انفورسمنٹ اور سیاسی تنظیموں کے لیے ایک وسیلے کا کام کرتی ہے۔ وائٹ ہاؤس پالیسی ساز مرکز کے طور پر کام کرتا ہے اور میکسیکو کی حکومت ہراول دستے کے طور پر ان پالیسیوں کو عملی جامہ پہناتی ہے۔

''منشیات کی جنگ'' میں ایک جانب وال سٹریٹ کے بڑے بینک ہیں، تو دوسری جانب وائٹ ہاؤس اور اس کے سامراجی فوجی تزویرکار ہیں اور درمیان میں میکسیکو کے نو کروڑ باشندے اور 40,000 مقتول ہیں۔

1991ء کے عشرے میں معاشی ڈی ریگولائزیشن (نئے لبرل ازم) کے سیاسی فراڈ کا سہارا لیتے ہوئے امریکہ کی نئی پالیسیاں موجودہ عشرے میں معاشی انتشار، جرائم سازی اور فوج گردی کی براہِ راست موجب بنی ہیں۔ منشیاتی مالیات پر مبنی پیچیدہ معیشت اب نئے لبرل ازم کا سب سے ترقی یافتہ درجہ حاصل کر چکی ہے۔ جہاں قابل احترام لوگ مجرم ٹھہرائے گئے ہیں اور مجرم قابل احترام گردانے جا رہے ہیں۔

میکسیکو میں ہونے والی نسل کُشی کے پسِ پشت قوتیں، امریکہ، اس کے ''معروف'' بینکار اور بے حیا حکمران ہیں۔

حوالہ جات

(سامراجیت کی معاشیات)

1- یہ 1960ء کی دہائی کی اصطلاح ہے جسے اس وقت کے فرانس کے وزیر مالیات Valery Giscard d'Estaing نے رائج کیا۔اس معاملے پر ایک حالیہ مفید کتاب دیکھئے، Barry Eichengreen کی (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2011ء) Exorbitant Privilege: The Rise and Fall of Dollar

2-اگلے چند برسوں میں چین کا امریکہ سے آگے بڑھ کر دنیا کی سب سے بڑی معیشت بن جانا متوقع ہے۔نوٹ کیجئے کہ اس مضمون میں امریکہ کے بعض اقتصادی اور مالیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے،فوجی جہت پر نہیں۔

3- BIS, Triennial Central Bank Survey, Report on Global Foreign Exchange Market Activity in 2010 سے دسمبر 2010ء میں حاصل کیے گئے اعداد وشمار۔ڈالر کا شیئر 84.9 فیصد جب کہ یورو کا 39.1 فیصد تھا۔البتہ یہاں ٹوٹل 200 فیصد ہے کیوں کہ تمام کرنسی تجارتوں کی دو اطراف ہوتی ہیں لیکن پھر بھی امریکی ڈالر کے حصص یورو کے دوگنا سے زیادہ تھے۔

4- تمام قسم کے بین الاقوامی لین دین میں ڈالر سب سے زیادہ استعمال کی جانے والی کرنسی ہے اور وسیع ترین عالمی استعمال رکھنے والی کرنسی ہے۔اگرچہ 1999ء میں اپنے آغاز کے بعد سے یورو کو قبولیت حاصل ہو چکی ہے لیکن اس کا بیشتر استعمال یورپ اور اس کے اردگرد کے ممالک میں ہوتا ہے۔یورو ایک متبادل کرنسی کے طور پر امریکی ڈالر کا ایک سنجیدہ چیلنجر رہا ہے،جس

سے بونڈ ایشوز وغیرہ موسوم کیے جاتے ہیں لیکن اس کا مارکیٹ شیئر ہمیشہ ڈالر سے خاصا کم رہا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے، انٹرنیشنل رول آف یورو، یورپین سینٹرل بینک، جولائی 2011ء۔

5- عالمی فارن ایکسچینج کی قومی بیس کے طور پر امریکہ، یوکے کے بعد دوسرا ہے لیکن یوکے میں کرنسی ٹریڈنگ زیادہ تر نان سٹرلنگ کرنسیوں اور خصوصاً ڈالروں میں ہوتی ہے۔

6- 1989ء کے بعد مرکزی اور مشرقی یورپ اور سابقہ سوویت یونین میں سرمایہ دارانہ نظام کے آغاز کے وقت ان کی امریکہ کے ساتھ تجارت انتہائی کم تھی لیکن ڈالر نے بلیک مارکیٹ میں ان کی معیشتوں میں ایک بڑا کردار ادا کیا۔ انہی ممالک کے ساتھ تجارت میں جرمنی کی مضبوط ترپوزیشن کے باوجود Deutsche مارک کا نفوذ مقابلتاً بے حد کم تھا۔

7- 1997-98ء کا بحران ایشیائی خطے میں بہت سے ممالک کے لیے خاصا صدمہ انگیز تھا۔ ان کی کرنسیوں کی قدر گر گئی، معیارِ زندگیوں میں کمی آئی اور ان کی قومی اقتصادی پالیسیاں آئی ایم ایف کے تحت آ گئیں، جس کے ''اصلاح'' کے پروگرام میں غیر ملکی سرمائے کے لیے ملکی اثاثوں کو کم قیمتوں پر فروخت کرنا شامل تھا۔ اس تناظر میں سب سے زیادہ اثر تھائی لینڈ، جنوبی کوریا اور انڈونیشیا پر ہوا اور 2000ء کے عشرے میں فارن ایکسچینج ریزرو کے سب سے بڑے ذخیرہ کار نے اس سے سبق حاصل کیا۔

8- مثال کے طور پر 10 سالہ امریکی ٹریژری آمدنی 6 فیصد کی بجائے 4.5 فیصد تھی۔ دیکھئے فرانسس ای وارنک اور ویرونیکا سی وارنک کی

"International Capital Flows and Us Interest Rates" Board of Governers of the Federal Reserve System, International Finance Discussion Papers, Number 840, September 2005

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر وہ قومی مفادات کے خلاف دکھائی دے تو امریکہ، امریکی کارپوریشنوں کی غیر ملکی خرید کو روک دیتا ہے لیکن کوئی بھی ملک جو امریکی قرض خریدنا چاہے، اُس سے رقم لیتے ہوئے اسے ضمیر کی کوئی خلش نہیں ستاتی۔ یوں چین کو امریکی آئل کمپنی یونوکیل کی خرید سے روکا گیا لیکن اسے امریکی ٹریژریز کے پہاڑ کی ملکیت رکھنے کی اجازت دی گئی۔

9- امریکہ اس برتری کو یوکے کے ساتھ شیئر کرتا ہے۔ دیکھئے اسی بلاگ پر مزید تفصیلات: "The Real Us Debt Problem" 26 جولائی 2011ء اور

"The Economics of British Imperialism" 22 مئی 2011ء۔

10-نیویارک ٹائمز، 15 ستمبر 2011ء۔

"Comment la Fed asseche les banques europeennes" ("How the -11 Le Monde Fed squeezes European banks"), 23 ستمبر، 2011ء۔

12-عالمی کورتج اور اثر اندازی کے معاملے میں امریکی بینک اب بھی دنیا کے سب سے بڑے بینک ہیں اور امریکی طاقت مجموعی طور پر امریکی بینکوں سے بھی آگے بڑھ گئی ہے۔ مثال کے طور پر، امریکہ سے باہر غیر امریکی بینکوں میں کام کرنے والے امریکی شہری ابھی بھی امریکی قانون کے تابع ہیں، اس لیے وہ ایسے کسی ملک سے معاملہ نہیں کر سکتے، جسے امریکی حکومت نے ممنوع قرار دیا ہو۔ یہی وہ عامل ہے جس نے امریکی پابندیوں کے، مثال کے طور پر، ایران پر اثرات ونتائج مستحکم کیا ہے۔

13- تکنیکی طور پر آئی ایم ایف ایک بین الاقوامی ادارہ ہے لیکن یہ زیادہ تر امریکہ کی ہدایات پر کام کرتا ہے۔ امریکہ کو اسے پوری طرح تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے (آئی ایم ایف میں) 17 فیصد ووٹ حاصل ہیں، جو دنیا کے دوسرے بڑے ملک جاپان کے 7 فیصد سے کہیں زیادہ ہیں اور یہ اس یقین دہانی کے لیے کہ آئی ایم ایف کی پالیسیاں اس کے مفادات کے عین مطابق ہوں، دیگر اراکین پر اپنا خاصا اثر ورسوخ رکھتا ہے۔